September - 2017

ستمبر ۲۰۱۷ء

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

برطانوی ہند کا وارن جوڈیشیل پلان

تذکرۂ خلفا و وابستگان رضا

مفتیٔ اعظم اڑیسہ اور مسلک اعلیٰ حضرت

قربانی کے مسائل

ذبیح کون؟ حضرت اسمٰعیل یا حضرت اسحٰق علیہما السلام

عید الاضحی اور مسلمانان ہند

₹15/-

فہرست مضامین

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

تبصرہ

''مفتی اعظم اڑیسہ اور مسلک اعلیٰ حضرت''

مؤلفہ علامہ سید اولا د رسول قدسی مصباحی

تبصرہ: فیضان المصطفیٰ قادری

چند ماہ قبل عالی جاہ ادیب شہیر حضرت علامہ مولانا سید اولا د رسول قدسی صاحب قبلہ نے اپنی ایک نئی تصنیف ''مفتی اعظم اڑیسہ اور مسلک اعلیٰ حضرت'' کی ایک اعزازی کاپی ہمارے پاس بھیجی، جو کئی دنوں تک ہماری الماری کی زینت بنی رہی اور مصروفیات کی ہما ہمی میں اس کے مطالعہ کا موقع نہ ملا، گزشتہ ماہ جب اس پر نظر پڑی تو ذوق مطالعہ نے ورق گردانی پر مجبور کیا، موضوع اہم تھا، چند سطریں اِدھر اُدھر سے پڑھیں کہ نظر اُن صفحات پر پڑی جہاں امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے علم وفضل کی چند مثالیں درج تھیں، اور یہ مثالیں اب تک ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی تھیں، پھر تو ہم نے پڑھنے کی ٹھان لی، اور بات جب ذوق کی ہو تو مصروفیات کا بہانہ نہیں چلتا اور ہجوم کاروافکار سے کچھ نہ کچھ وقت خود بخود نکل آتا ہے۔ اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کتاب انگلی پر گنی جانے والی ان چند نئی کتابوں میں ہے جنھیں راقم الحروف نے بالاستیعاب پڑھنے کی کوشش کی، ورنہ نئی کتابوں میں دل نہیں لگتا، امہات الکتب سے فراغت ہے نہ بے نیازی، اور اس دور کی نئی کتابوں میں رکھا ہی کیا ہے؟ لیکن کوئی نئی کتاب موضوع کی جدت اور مواد کی حدت کے اعتبار سے کچھ انفرادی شان دکھائے تو نظریں چرانا مشکل ہو جاتا ہے۔

مولانا سید اولا د رسول قدسی کو ہم اس وقت سے جانتے ہیں جب موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے، اور ہم سے سینئر تھے، طالب علمی کے زمانے میں اپنی وجاہت وسیادت اور نجابت ووقار کے حوالے سے ممتاز مقام رکھتے تھے، بلکہ طلبہ میں اس حیثیت سے بھی منفرد مقام کے حامل تھے کہ قرب وجوار جلسوں میں تقریر کے لیے مدعو کیے جاتے تھے۔ کالج کی زندگی گزار کر علم دین کے لیے آئے تھے اس لیے انگلش میں مہارت کا سکہ بھی جما ہوا تھا، فراغت کے بعد افریقی ممالک میں چند سال دینی خدمات انجام دینے کے بعد امریکہ پہنچے اور امریکہ میں ان کی دینی خدمات کی دوسری دہائی چل رہی ہے۔ شخصیت پرکشش، باوقار، وجیہ وشکیل، علمی وادبی رعب وداب کے ساتھ قد و قامت کا دبدبہ بھی خوب جمتا ہے، شاعری شریانوں میں بسی ہوئی ہے، جس کی برکت سے جماعتِ علما میں صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔ اِس کتاب سے اندازہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت اور ان کے مسلک سے الفت ان کے DNA میں شامل ہے۔ شخصیت گونا گوں خوبیوں کا مرقع ہے، النور سوسائٹی آف ہیوسٹن کی مسجد قریش میں ایک زمانے تک خدمات انجام دیتے رہے، یہاں سے جب نیویارک گئے تو ان کی مسجد میں فقیر کو ہفتہ وار درس کے لیے جانا ہوا، ان کے یہاں سے جانے کے بعد پسماندگان میں کچھ ان کی تعریف کرتے ملے کچھ تنقید کرتے، تنقید کرنے والوں سے وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ موصوف ہر بات میں مسلک لے آتے تھے، دیارِ غیر میں بھاری بھرکم شخصیتیں بھی لچک دار ہو جاتی ہیں، مگر ایک سید باپ کے اس جید سپوت کے کیا کہنے! سبحان اللہ!

اب حضرت موصوف کی اس کتاب کے بعد تو بہت کچھ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن ہم نے اتنا علی الفور کیا کہ فون کر کے حق گوئی و بیبا کی پر مبارک باد پیش کی، اور ساتھ میں یہ بھی عرض کر دیا کہ اس کتاب میں خلفائے اعلیٰ حضرت کی فہرست میں محدث اعظم ہند حضرت سید محمد کچھوچھوی اور شمس العلما قاضی شمس الدین جونپوری علیہما الرحمہ کا نام بھی درج ہے، جس کا حوالہ اگر چہ دیدیا گیا ہے مگر ہمارے لیے محل نظر ہے۔ یہ کتاب اگر چہ امریکہ کی سرزمین پر لکھی گئی ہے مگر ہندوستان کے اہل سنت کی حالت زار کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے اور اپنے موضوع سے متعلق مواد سے بھر پور ہے، اور اس طرح ترتیب دی گئی ہے کہ سنجیدہ طبع اور غیر سنجیدہ سب کو یکساں دعوتِ مطالعہ دے رہی ہے۔

اس کتاب میں اپنی جماعت اہل سنت کے لیے ''بریلوی'' ٹائٹل کی کھل کر حمایت کی گئی ہے، اور ''مسلک اعلیٰ حضرت'' تو خاص اس کتاب کا موضوع ہے۔ جس میں اس تعلق سے مخالفین اور موافقین کے کثیر اقوال وعبارات کو جمع کر کے خوب محاکمہ کیا گیا ہے، اور جن لوگوں کو مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرے سے الرجی ہے ان کی کماحقہ خدمت گزاری کی گئی ہے۔

کتاب کے ٹائٹل سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے مفتی اعظم اڑیسہ حضرت مولانا سید عبدالقدوس علیہ الرحمہ کی خدمات پر لکھی گئی ہے، مگر ۲۸۸ صفحات کی اس کتاب میں والد گرامی کا ذکر خیر دس پندرہ صفحات سے متجاوز نہیں، باقی پوری کتاب مسلک اعلیٰ حضرت کے موضوع سے بحث کرتی ہے، جا بجا یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کی مسلک اعلیٰ حضرت سے وابستگی بنیادی طور پر موروثی ہے، جس کی پشت پر دلائل اور اسلاف کی آرا کا انبار ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوا کہ مفتی اعظم اڑیسہ جذبات کی حد تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے حامی اور اپنے پورے اندرون سے نیاز مند تھے، جس کے اثرات حضرت قدسی کی تحریر وتقریر سے نمایاں ہو رہے ہیں۔ ''مسلک اعلیٰ حضرت کا معنی ومفہوم اور اس کی ہمہ گیریت'' اس کتاب کا مرکزی حصہ ہے جو شائقین علم کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

ذیلی عنوان ''لفظ بریلوی حقائق کے اجالے میں'' ایک معرکۃ الآرا بحث ہے جس میں قدسی کے نشتر قلم نے بھر پور آپریشن کیا ہے۔ اس کے تحت چند اکابر ملت کے اقوال تحریر فرمائے جو اس کی حمایت میں ہیں۔ پھر چار حضرات کی تحریریں درج ہیں جو اس کے خلاف پر ہیں، ان میں علامہ محمد احمد مصباحی کا بھی ذکر ہے۔ اس مقام پر ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس حوالے سے مصباحی صاحب نے جو کچھ لکھا اس سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ رضویات پر ان کی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ شائقین علوم رضا کی طرف سے بجا طور پر وہ تشکر اور دعاؤں کے حق دار ہیں۔ گزشتہ پچاس سالوں میں جن حضرات کی جہدِ مسلسل سے تصنیفات وتعلیماتِ رضا کی اشاعت کا کام ہوا ہے ان میں موصوف کا نام صفِ اول میں آنا چاہیے۔ جن لوگوں نے ان کے تحریری واشاعتی مشاغل کو آنکھوں سے دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی وراثت کی خوب سے خوب تر اشاعت میں آپ نے زندگی کے شب وروز لگائے ہیں۔ قصیدتان رائعتان، المعتمد المستند، جد الممتار، کی شان دار اشاعت ان کی ہی توجہات کی رہین منت ہے۔ فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن میں عربی عبارات کے ترجمہ میں بھی آپ نے کردار ادا کیا ہے۔ اور خود ''امام احمد رضا اور تصوف''، اور ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں'' جیسی شاندار تصنیف قوم کو عطا کی ہیں۔ یہ باتیں ہم اس لیے درج کر رہے ہیں تا کہ اِس عہدِ خرافات میں کوئی جانباز حضرت مصباحی صاحب کی مندرج تحریر کو اُن کی کردار کشی کے لیے استعمال کرنے سے پہلے ان کی خدمات پر بھی نظر ڈال لے۔

آخر میں ''غمزۂ چشم ہمزہ'' کے عنوان سے ایک مراسلت شامل کی گئی ہے جو حضرت شرر مصباحی اور حضرت محمد احمد مصباحی کے درمیان ہوئی ہے، اس غمزۂ چشم کو ہم نے بغور محسوس کرنے کی کوشش کی، لیکن اس سے حاصل کیا ہوا اس پر تبصرہ کرنے سے بہتر خاموشی ہے۔ ہاں ایک جگہ مصباحی صاحب کی کتاب حدوث الفتن پر یہ ریمارک ہے کہ اشاعت حق میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ذکر کیا گیا؟ جب کہ ان کی تصنیفات بھی شاہ عبدالعزیز سے زیادہ ہیں، یوں ہی مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا نام نہیں ہے۔ مجیب نے مختصراً کہا کہ احاطہ مقصود نہ تھا، اس پر ہم اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ بات اگر علمی خدمات و کثرتِ تصانیف کی ہو تو شاہ ولی اللہ کا مقام بہت بلند ہے، مگر جب اشاعت حق یعنی زمین پر اللہ کی حجت قائم کرنے کی بات ہو تو شاہ عبدالعزیز کا مقام ہندوستان میں پیدا ہونے والے بہت سے اگلوں پچھلوں سے بھی بلند ہے۔ بہت واضح بات ہے کہ دیوبندی وہابی غیر مقلد سب شاہ ولی اللہ کی عبارات سے استدلال کرتے ہیں، لیکن شاہ عبدالعزیز کی کتابوں میں ان کو اپنے مطلب کی بات نہیں ملتی، ایک ''تحفہ اثنا عشریہ'' سے حضرت شاہ عبدالعزیز نے روافض پر جو حجت قائم کی ہے ردّ روافض کی پوری اسلامی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملے گی، حالانکہ شیعیت پہلی صدی کی پیداوار ہے اس کا جو جواب بارہویں صدی میں شاہ عبدالعزیز نے دیا وہ ان کا ہی حصہ تھا۔ برسوں پہلے اس کا مطالعہ کیا اور آج بھی اس کا اتنا مداح ہوں کہ کوئی سوال کرے کہ ہندوستان کی سرزمین پر اب تک لکھی جانے والی کتابوں میں ایک سب سے وقیع اور اہم کتاب کون ہے؟ تو ہمارا جواب ہوگا شاہ صاحب کی ''تحفہ اثنا عشریہ''۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اسی ایک کتاب کی بنیاد پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو بارہویں صدی کا مجدد قرار دیا گیا، اب کوئی کہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام مجددین کی فہرست میں کیوں دیا جاتا ہے، شاہ ولی اللہ کا کیوں نہیں؟ تو یہ سوال عجیب ہوگا۔ اتنا اور عرض کروں کہ احقر جب شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کر رہا تھا تو رفع یدین کے بیان میں سوچنے لگا کہ شاہ صاحب نے آخر کیوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف نسیان کی نسبت بلا تبصرہ ذکر کر دی ہے، ہمارا خیال ہے کہ شاہ ولی اللہ کی تصنیفات سالکین اور طالبین کے لیے ہیں۔ جہاں تک بات مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ہے، تو وہ تو قلم کے بادشاہ ہیں، لیکن جو رنگ نقل مذاہب و اقوال میں ہے وہ محاکمہ میں نہیں، چنانچہ درسی کتابوں پر ان کے حواشی دیکھ کر جو عش عش کرے گا اسے ان کے مجموعہ فتاوی سے کچھ نہ کچھ مایوسی ضرور ہوگی۔

مجموعی طور پر علامہ سید اولا د رسول قدسی کی تالیف موضوع سے متعلق بہترین تالیف ہے، شروع سے آخر تک قاری کی وابستگی ٹوٹنے نہیں دیتی، علمی مواد سے بھرپور اور ہر بات باحوالہ، ہر ہر سطر سے امام احمد رضا قدس سرہ کی حمایت کے جذبات ابل رہے ہیں، اور ہمارے لیے دلچسپی کی یہی بڑی وجہ ہے۔ اگر چہ اسلوب بیان میں کہیں کہیں ایسی شدت آ گئی ہے جس سے ہم اپنے مزاج میں ہم آہنگی نہیں پاتے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح سے چند ناعاقبت اندیشوں نے اعلیٰ حضرت اور ان کے مسلک کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس کے جواب میں کچھ نہ کچھ جوابِ آں غزل کا اسلوبی اثر تو آنا ہی تھا۔ بہر کیف، ہمیں قدسی کی اس تصنیف سے مسرت ہوئی اور مجموعی طور پر اس کتاب کے مضمونِ جملہ پر صاد کرنے کو جی چاہتا ہے۔

کتاب کی زینت اس کا خوبصورت مقدمہ ہے جو مولانا رحمت اللہ صدیقی کے قلم سے نکلا ہے۔ صدیقی صاحب تو طوفانوں کا رخ موڑنا جانتے ہیں، ان کا قلم پختہ اور سیال ہے، جو کچھ کہنا چاہتے ہیں ان کا قلم اس کے لیے خوب سے خوب تعبیرات پیش کر دیتا ہے، اپنے اس مقدمے میں موصوف نے جماعت کے موجودہ حالات کی جائز تصویر کشی کرتے ہوئے کتاب کی شانِ نزول بیان کی ہے۔ ٹائٹل تو کہتا ہے کہ یہ کتاب مصنف اور مقدمہ نگار دونوں کی مشترکہ کوششوں سے منظر عام پر آئی ہے مگر مقدمہ میں موصوف نے اپنی کوششوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس مقدمہ کے چند جملوں پر ہم کچھ سوال کرنا چاہتے تھے، لیکن رضا مخالف سرگرمیوں کو کچلنے میں صدیقی صاحب کی جو خدمات ہیں وہ ان سوالات پر حاوی ہیں، اس لیے حسابِ دوستاں در دل۔ اللہ تعالیٰ مصنف اور مرتب دونوں کو سلامت رکھے۔ آمین

فیضان المصطفےٰ قادری۔ النور انسٹی ٹیوٹ ہیوسٹن

Faizanulmustafa@yahoo.com

ضیائے قرآن

تلاوتِ قرآن کے فضائل

مولانا اقبال احمد علیمی (استاذ مرکز تربیت افتا: اوجھا گنج، بستی)

قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اگر قرآن کریم کی محض تلاوت کی جائے تو بھی ثواب ہے، اور اگر اس کے معانی ومفہوم کو سمجھتے ہوئے پڑھا جائے تو ثواب بھی ہے اور ہدایت بھی۔ ایک طوطا جب اپنے مالک کے یادکرائے ہوئے الفاظ کو بولتا ہے تو اس کا مالک طوطے کی زبان سے اپنے کلام کو سن کر خوشی سے جھوم اٹھتا ہے، حالانکہ طوطا ان الفاظ کے معانی کو نہ جانتا ہے، نہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح بندہ جب کلام ربانی کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو رب تعالیٰ بندہ کی زبان سے اپنے کلام کو سن کر خوش ہوجاتا ہے، چاہے بندہ اس کلام کے معانی کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تلاوت قرآن مجید کو اپنی عادت بنالیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تلاوت کے ثواب کے ساتھ قرآن عظیم کی برکتوں کا بھی ظہور ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے سیکھنے، سکھانے اور تلاوت کرنے کے بڑے فضائل بتائے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

﴿**من قرء حرفًا من كتاب الله، فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها، لا اقول الم حرف، الف حرف ولام حرف وميم حرف**﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۶، ترمذی ص ۱۱۵)

ترجمہ: جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے اس کے بدلے ایک نیکی ہے، اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ میں نہیں کہتا ہے کہ الم ایک حرف ہے۔ الف ایک حرف ہے، اور لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مجدد اسلام حضرت علامہ علی بن سلطان قاری مکی حنفی (م ۱۰۱۴ھ) نے تحریر فرمایا: "**ان اريد بالم مفتح سورة الفيل، يكون عدد الحسنات ثلاثين، وان اريد به مفتح سورة البقرة وشبهها بلغ العدد تسعين**" (مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۳۵۵)

ترجمہ: اگر "الم" سے سورہ فیل کا شروع حصہ مراد ہے تو نیکیوں کی تعداد تیس (۳۰) ہوگی، اور اگر اس سے سورہ بقرہ کا شروع حصہ اور اس کے مماثل مراد ہے تو نیکیوں کی تعداد نوے (۹۰) ہوگی۔

قرآن کی مشغولیت ذکر ودعا سے افضل

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿**من شغله القرآن عن ذكرى ومسئالتى اعطيته افضل ما اعطى السائلين—وفضل كلام الله علىٰ سائر الكلام كفضل الله علىٰ خلقه**﴾ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۶)

ترجمہ: جس کو قرآن میرے ذکر اور مجھ سے سوال کا موقع نہ دے، میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت سارے کلام پر ایسی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر فضیلت ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں شیخ المحققین حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۱۰۵۲ھ) نے تحریر فرمایا: جس شخص

کو میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے کا موقع نہیں دیتا، میں اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔اس طرح ذکر دعا سے افضل ہوا،اور قرآن ذکر و دعا سے افضل ہے،اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ذکر و دعا قرآن کا جز ہے ، اور قرآن کل اور سب کا سرچشمہ ہے۔(اشعۃ اللمعات ج۲ص۱۴۱)

قرآن کریم دیکھ کر تلاوت کرنا افضل

حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دادا سے روایت کی:﴿ **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم :قرأۃ القرآن فی غیر المصحف الف درجۃ وقرأتہ فی المصحف لضعف علیٰ ذلک الیٰ الفی درجۃ** ﴾(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۸۸،۱۸۹)

ترجمہ:حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:کسی شخص کا قرآن دیکھے بغیر تلاوت کرنا ایک ہزار درجہ رکھتا ہے ،اور اس کا قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا اس سے بڑھ کر دو ہزار درجہ رکھتا ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھ کر پڑھنے میں دو عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں،ایک قرآن کا پڑھنا اور دوسری قرآن کا دیکھنا(فتح الباری)

علامہ ابن حجر عسقلانی کی اس تشریح سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ قرآن مجید کا دیکھنا بھی عبادت ہے،لہٰذا جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم نہیں مل پائی ،اور وہ اس کی تعلیم ابھی تک حاصل کر بھی نہیں پائے تو ان کے لیے یہ بھی سعادت مندی کا موقع ہے کہ وہ روزانہ قرآن پاک کو عزت و محبت اور ادب و تعظیم کے ساتھ دیکھ لیا کریں۔ انہیں قرآن کریم کی زیارت و دیدار کا ثواب مل جائے گا۔اللہ اکبر! مسلمانوں پر رب تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ وہ ہمیں اپنے کلام کی زیارت کا بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔

ترے میکدے میں کمی ہے کیا جو کمی ہے ذوق طلب میں ہے
جو ہوں مانگنے والے تو آج بھی وہی بادہ ہے وہی جام ہے

''فتاویٰ اسحاقیہ'' کی تقریب رسم اجرا

صوبہ راجستھان کی مشہور و معروف اسلامی دانش گاہ ، یادگار حضور مفتی اعظم راجستھان'دارالعلوم اسحاقیہ'(جودھپور) کی عظیم پیش کش ''فتاویٰ اسحاقیہ'' طبع ہو رہی ہے۔یہ کتاب فقہ حنفی کے جملہ ابواب پر مشتمل اور دو ضخیم جلدوں میں ہے۔بحمدہ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ علیہ التحیۃ والثنا ''فتاویٰ اسحاقیہ'' آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور جزئیات فقہیہ سے مزین و مرصع ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ ''عرس مفتی اعظم راجستھان'' کے زیر موقع پر بتاریخ ۱۸/ ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۰/ستمبر ۲۰۱۷ء کو فقہائے اسلام و مشائخ عظام کے مقدس ہاتھوں اس کی رسم اجرا عمل میں آئے گی۔

تالیف

حضرت علامہ مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی امجدی
(استاذ و مفتی: دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور، راجستھان)

ترتیب

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقادر رضوی اشفاقی
(نائب مفتی: نوری دارالافتا جامع مسجد باسنی، ناگور شریف)
(۲) حضرت مولانا مفتی محمد تحسین رضا عزیزی اشفاقی
راجستھان

ناشر: شعبہ نشر و اشاعت: دارالعلوم اسحاقیہ، محلہ خیرادیان ، جودھپور(راجستھان)

تقسیم کار
فاروقیہ بکڈ پو 422/C مٹیا محل جامع مسجد(دہلی)
رابطہ نمبر
9413574654/ 9811118616/
02912438786/ 9024254532

☆☆☆

شرعی مسائل

قربانی کے مسائل

مفتی قاضی فضل احمد مصباحی (مفتی بنارس وقاضی شرع ضلع کٹیہار)

قربانی واجب ہونے کی شرطیں

سوال اول: قربانی واجب ہونے کے شرائط کیا ہیں؟

جواب: قربانی کے شرائط درج ذیل ہیں۔

(۱)اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں (۲)اقامت یعنی مقیم ہونا ،مسافر پر قربانی واجب نہیں (۳)غنا(تونگری) یعنی ایسے نصاب کا مالک ہونا ،جس سے صدقہ فطر واجب ہوجاتا ہے (۴)حریت یعنی آزاد ہونا،غلام پر قربانی واجب نہیں۔عالمگیری میں ہے۔

"واما شرائط الوجوب منها اليسار وهوما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة ومنها الاسلام فلا تجب على الكافر ومنها الحرية فلا تجب على العبد ومنها الاقامة فلا تجب على المسافر"

(فتاویٰ عالمگیری ج۵ص۲۹۲)

ترجمہ:وجوب قربانی کے شرائط میں سے صدقہ فطر کے نصاب کا مالک ہونا ہے،وجوب زکوۃ کے نصاب کا نہیں،اورانہیں میں سے اسلام ہےتو کافر پرقربانی واجب نہیں،حریت بھی وجوب قربانی کے شرائط میں سے ہے،لہٰذا غلام پرقربانی واجب نہیں۔یونہی اقامت بھی شرائط وجوب میں سے ہے،لہٰذا مسافر پرقربانی واجب نہیں۔

قربانی واجب ہونے کے لیےقول مفتیٰ بہ پر بالغ ہونا شرط ہے،لہٰذا نابالغ پر نہ خودقربانی واجب ہے،نہ اس کی طرف سے اس کے باپ پر۔البتہ نابالغ کی طرف سے باپ قربانی کردے تو بہتر ہے۔درمختار میں ہے۔

(ويضحى عن ولده الصغير من ماله)صححه من الهداية (وقيل لا)صححه فى الكافى قال:وليس للاب ان يفعله من مال طفله ورجحه ابن الشحنة قلت وهوالمعتمد لما فى متن مواهب الرحمن من انه اصح ما يفتى به

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج۹ص۵۲۵،۵۲۶)

ترجمہ:ماتن کاقول کہ باپ اپنے نابالغ بچے کی طرف سے قربانی کرے گا،مصنف نے اس قول کوہدایہ کے حوالہ سے صحیح قرار دیااوربعض فقہا نے فرمایا کہ چھوٹے بچے کی طرف سے باپ پرقربانی واجب نہیں۔کافی میں اس قول کی تصحیح بیان کی گئی اورفرمایا کہ باپ کے لیے یہ جائزنہیں کہ بچے کے مال سے قربانی کرے۔اوراس کوابن شحنہ نے راجح قراردیا،میں نے کہا یہی معتمد ہے،چونکہ مواہب الرحمٰن کے متن میں ہے کہ یہ قول صحیح ترین اورمفتیٰ بہ ہے:واللہ تعالیٰ اعلم

زمین وجائیداد ہوتو کب قربانی واجب ہے؟

سوال دوم: جوشخص دوتین بگھہ کھیت کا مالک ہو،لیکن روپیہ اس کے پاس نہ ہوتو کیااس پرقربانی واجب ہے؟

جواب: جس شخص کے پاس کھیت ہو،اوراس کی قیمت دوسودرہم چاندی یعنی مقدارنصاب کوپہونچ جائے،اس پرقربانی واجب ہے۔عالمگیری میں ہے۔

"وان كان له عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ المتأخرون رحمهم الله تعالى فالزاعفرانى والفقيه على الرازى اعتبرا قيمتها وابوعلى الدقاق وغيره اعتبروا الدخل واختلفوا فيما بينهم—قال ابوعلى الدقاق: ان كان

یدخل لہ من ذلک قوت سنۃ فعلیہ الاضحیۃ ومنھم من قال: قوت شھر ومتی فضل من ذلک قدر مائتی درھم فصاعداً فعلیہ الاضحیۃ" (فتاویٰ عالمگیری ج۵ص۲۹۲)

ترجمہ: اگر کسی کے پاس زمین اور ملک کی آمدنی ہے تو اس پر قربانی کے وجوب کے تعلق سے متأخرین مشائخ کا اختلاف ہے۔ زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے زمین اور ملک کی قیمت کا اعتبار کیا ہے، اور ابوعلی دقاق وغیرہ نے آمدنی کا اعتبار کیا ہے، پھر ان میں بھی باہم اختلاف ہے۔ ابوعلی دقاق کے نزدیک اگر اس زمین یا ملک کی آمدنی سے ایک سال کا خرچ حاصل ہوجائے تو اس پر قربانی واجب ہے اور بعض نے فرمایا کہ ایک ماہ کا خرچ حاصل ہوجائے، اور اس کے بعد آمدنی سے اتنا بچ جائے کہ دوسو درہم یا اس سے زائد چاندی کی قیمت کے برابر ہوجائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔

فتویٰ زعفرانی اور علی رازی کے قول پر ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

"وبالجملۃ قد تظافرت الروایات علی الایجاب وھوالموافق لاطلاق المتون والشروح من قولھم کما فی الھدایۃ وغیرھا وھوالمنقول من احد شیخی المذھب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم ھو الاحوط فعلیہ فلیکن التعویل " (فتاویٰ رضویہ ج۸ص۳۹۰)

ترجمہ: خلاصہ یہ کہ روایات بکثرت اس بات پر دال ہیں کہ قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے قربانی واجب ہوگی، اور یہی متون وشروح کے اطلاق کے موافق ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہا میں ہے، اور یہی شیخین مذہب میں سے ایک یعنی امام ابویوسف کا قول ہے، اور اختلاف تو متأخرین سے منقول ہے، پھر زعفرانی اور فقیہ علی رازی کا قول ہی تقاضہ احتیاط کے مطابق ہے تو پھر اسی پر اعتماد ہونا چاہئے: واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر نے قربانی کا جانور خریدا، وہ گم ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال سوم : فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور وہ جانور گم ہوگیا یا چوری ہوگیا تو کیا کرے؟

جواب : فقیر پر ابتداءً قربانی واجب نہیں ہوتی۔ ہاں، اگر قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اس پر قربانی واجب ہوگئی، پھر وہ جانور قربانی سے پہلے گم ہوگیا یا چوری ہوگیا تو اس سے قربانی ساقط ہے، اور اس پر کچھ واجب نہیں۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

"وان کان معسرا فاشتری شاۃ للاضحیۃ فھلکت فی ایام النحر وضاعت، سقطت عنہ ولیس علیہ شیء آخر لما ذکرنا ان الشراء من الفقیر للاضحیۃ بمنزلۃ النذر فاذا ھلکت فقد ھلک محل اقامۃ الواجب فیسقط عنہ ولیس علیہ شیء آخر بایجاب الشرع ابتداء لفقد شرط الوجوب وھوالیسار" (البدائع والصنائع ج۴ص۱۹۹)

ترجمہ: اگر کوئی شخص فقیر وتنگ دست ہو، اور اس نے قربانی کے لیے بکری خریدی، اور ایام نحر میں وہ جانور ہلاک ہوگیا یا گم ہوگیا تو فقیر سے قربانی ساقط ہوگئی، اور اس پر کچھ واجب نہیں، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا کہ فقیر کا قربانی کے لیے جانور خریدنا قربانی کی منت ماننے کی منزل میں ہے، جب وہ جانور ہلاک ہوگیا تو اقامت واجب کا محل جاتا رہا، لہٰذا اس سے وجوب اضحیہ (قربانی) ساقط ہوجائے گا، اور اس پر کوئی دوسری چیز من جانب شرع ابتداءً واجب نہ ہوگی کہ شرط وجوب یعنی نصاب کا مالک ہونا نہیں پایا جارہا ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی میں زندہ اور مردہ کی شرکت

سوال چہارم : ایک گائے میں زندہ اور مردہ دونوں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ایک گائے میں زندہ اور مردہ دونوں کی شرکت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی نے اپنی طرف سے اور اپنے کسی مرحوم کی طرف سے قربانی کی تو قربانی ہوجائے گی، قربانی کے جانور کا مالک ذابح ہوگا اور ثواب میت کے لیے۔ ردالمحتار میں ہے۔

"فرع: من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ

نفسہ من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح—قال الصدر ،والمختار انہ ان بامر المیت لایاکل منھا والایأکل،بزازیۃ"(ردالمختار ج۹ص۵۴۰)

ترجمہ: جس نے میت کی طرف سے قربانی کی تو گوشت کے تعلق سے وہی معاملہ کرے گا جو اپنی قربانی کے گوشت کے ساتھ کرتا ہے یعنی صدقہ کرنا اور خود کھانا ،ثواب میت کو پہنچے گا اور ملک ذابح کا ہوگا۔صدر شہید نے فرمایا: مختار یہ ہے کہ اگر میت کے حکم سے قربانی کی تو گوشت خود نہیں کھائے گا ، بلکہ فقیر کو صدقہ کردے گا، ورنہ خود کھا سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سات شخصوں نے قربانی کے لیے گائے خریدی ،ان میں ایک کا انتقال ہوگیا،اس کے ورثہ نے شرکا سے کہہ دیا کہ تم اس گائے کو اپنی طرف سے اور میرے مورث کی طرف سے قربانی کردو،انہوں نے کرلی ،تو سب کی قربانی ہوگئی اور اگر ورثہ کی اجازت کے بغیر قربانی کی تو کسی کی قربانی نہ ہوئی۔ہدایہ میں ہے۔

"**واذا اشتری سبعۃ بقرۃ لیضحوا بھا فمات احدھم قبل النحر وقال الورثۃ اذبحوھا عنہ وعنکم اجزاہ**"(الھدایۃ علیٰ ہامش الفتح ج۹ص۵۳۱)

ترجمہ: جب سات آدمیوں نے مل کر قربانی کے لیے ایک گائے خریدی ،اوران میں سے ایک قربانی سے پہلے ہی مرگیا اوراس کے ورثہ نے یہ کہہ دیا کہ میرے مورث کی طرف سے اور تم لوگ اپنی طرف سے قربانی کرلو تو یہ قربانی صحیح ہوجائے گی: واللہ تعالیٰ اعلم

اپنے نام کی بجائے کسی اور نام سے قربانی کرنا

سوال پنجم : جس پر قربانی واجب ہے،اگر وہ اپنے نام کی بجائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اپنے والد کے نام سے قربانی کرے تو واجب ذمہ سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

جواب : جس پر قربانی واجب ہے،اوراس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اپنے والد کے نام سے قربانی کردی ،مگر اپنے نام سے قربانی نہیں کی تو یہ قربانی نفل ہوئی ،ثواب ملے گا ، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام قربانی کرنے سے ،بہت زیادہ ثواب ملے گا ،مگر اس کے ذمہ سے واجب ساقط نہ ہوگا ،جیسے نفل صدقہ دینے سے فرض زکوٰۃ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا: واللہ تعالیٰ اعلم

بڑے جانور میں کوئی شریک کافر ومرتد ہو تو کیا حکم؟

سوال ششم : جس جانور میں سات لوگ شریک ہو سکتے ہیں، اگر ان شرکا میں سے کوئی کافر ومرتد ہو تو کیا دوسروں کی قربانی ہوجائے گی؟

جواب: جن جانوروں میں سات آدمیوں کی شرکت ہوتی ہے، اگر ان شرکا میں سے کوئی کافر ومرتد ہے تو وہ قربانی کا اہل نہیں ہے اوراس کی قربانی نہ ہوگی ،اور جب اس کی طرف سے نہیں ہوگی تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوگی کہ اس قربانی کا ایک حصہ قربت سے خالی ہے ،اور قربانی قابل تجزی نہیں کہ ایک حصہ صحیح نہ ہو،اور باقی صحیح ہوجائے ،اس لیے کسی کی قربانی نہ ہوگی۔درمختار میں ہے۔

(**وان کان شریک الستۃ نصرانیا اومریدا اللحم لم یجز عن واحد منھم**)**لان الاراقۃ لا تتجزأ،ھدایۃ لما مر** (درمختار علیٰ ہامش ردالمختار ج۵ص۵۴۰)

ترجمہ: اگر سات شرکا میں سے ایک نصرانی ہو، یا گوشت کی نیت رکھتا ہو تو کسی شریک کی قربانی نہ ہوگی کہ قربانی قابل تجزی وقابل تقسیم نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کا گوشت تین حصہ کرنا مستحب

سوال ہفتم: کیا قربانی کے گوشت کو تین حصہ کرنا واجب ہے؟

جواب: قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کل گوشت اپنے لیے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔بدائع الصنائع میں ہے۔

"**ویستحب ان یاکل من اضحیتہ ویطعم منھا غیرہ والافضل ان یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافۃ لاقاربہ واصدقائہ ویدخر الثلث ولو تصدق بالکل جاز،ولو حبس الکل لنفسہ جاز:اہ ملخصا**" (البدائع

والصنائع ج۴ص۲۵۵)

ترجمہ:قربانی کا گوشت کھانا اوردوسرے کوکھلانا مستحب ہے اورافضل یہ ہے کہ ایک تہائی صدقہ کردے ،اورایک تہائی سے احباب واقارب کی ضافت کرے ،اورایک تہائی اپنے لیے جمع رکھے ،اوراگرکل گوشت صدقہ کردے تو جائز ہے،اورکل گوشت اپنے پاس رکھ لےتو یہ بھی جائز ہے:واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کا گوشت کفارکودینا

سوال ھشتم : کفارکوقربانی کاگوشت دے سکتے ہیں یانہیں؟

جواب: یہاں کے کفارحربی ہیں،لہٰذاانہیں قربانی کاگوشت دینا نہیں چاہئے۔فتاویٰ رضویہ میں ہے۔’’یہاں کے کفارکودینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے،لہٰذا انہیں دینا خلاف مستحب ہے،اوراپنے مسلمان بھائی کوچھوڑ کر کافرکودینا حماقت ہے‘‘۔(فتاویٰ رضویہ ج۸ص۴۶۷):واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کی کھال اپنے استعمال میں لانا

سوال نھم : کیاقربانی کی کھال کوصدقہ کرناواجب ہے؟

جواب : قربانی کےتعلق سےحدیث شریف میں ہے۔’’**کلوا ودخروا وائتجروا**‘‘ ۔یعنی کھاؤ،جمع رکھو،اوراس سےثواب کا کام کرو۔اس حدیث کے پیش نظر قربانی کی کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، بلکہ اسے باقی رکھتے ہوئے ،یاباقی رہنے والی کسی چیز سے بدل کرنفع حاصل کیا جاسکتا ہے،یوں ہی ہر کارخیر میں صرف کرسکتے ہیں۔ہدایہ میں ہے:

’**تعمل منه آلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا لان الانتفاع له غیر محرم ولا بأس بان یشتری به ما ینتفع به فی البیت بعینه مع بقائه استحسانا وذلک لما ذکرنا لان للبدل حکم المبدل واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح–اه ملخصا**‘‘(ہدایہ ج۴ص۴۴۸)

ترجمہ:قربانی کی کھال سے گھر میں استعمال ہونے والے آلات بنائے جاسکتے ہیں،مثلاً بچھونا،تھیلا،چھلنی جیسی چیزیں،کیونکہ کھالوں سے انتفاع حرام نہیں ہے،اوران سے گھر میں استعمال کے لیےایسی چیزیں خریدنا جوبعینہ باقی رہیں تواستحساناً اس میں کوئی حرج نہیں،اوروہ اس وجہ سے جوہم نے ذکرکیا،کیونکہ بدل کے لیے مبدل کاحکم ہے ، اورگوشت حکم میں کھال کی منزل میں ہے صحیح مذہب میں:واللہ تعالیٰ اعلم

قربانی کی کھال مساجد،مدارس ومکاتب میں صرف کرنا

سوال دھم : کیاقربانی کی کھال کومساجد،مدارس اورمکاتب میں صرف کرسکتے ہیں؟

جواب: قربانی کی کھال مساجد،مدارس اورمکاتب، بلکہ ہرکارخیر میں صرف کی جاسکتی ہے۔کمامر:واللہ تعالیٰ اعلم

(باقی صفحہ ۲۰)

شیر بیشہ اہل سنت تشریف لاتے (حاجی صاحب کے سامنے)دوزانو بیٹھتے،دست بوسی کرتے ،(پوچھتے)حاجی صاحب! اس بارے میں اعلیٰ حضرت کوآپ نے کیا کہتے سنا؟،حاجی صاحب کی جو یادداشت تھی بتاتے ، پھردعا کراتے ، پھرجب (شیر بیشہ اہل سنت)نکلتے تو(آپ کے) مرید کہتے:حضور! آپ تو خودمفتی ہیں، آپ حاجی صاحب سےمسئلہ پوچھ رہے ہیں؟فرماتے:میں ان سے اپنے پیرکی باتیں سنتاہوں،یہ میرے پیر کے خادم خاص رہے ہیں۔

حاجی صاحب اعلیٰ حضرت کے کیسے جانثار تھے،اعلیٰ حضرت کے لیے(سفرمیں ٹرین کی)بوگی تو ریزرورہتی ہی تھی،اس زمانے میں چھوٹی چھوٹی سیٹیں ہوتی تھیں، اب اعلیٰ حضرت کا بستر بچھےتو سیٹ چھوٹی ،تو یہ ہوا کہ دوسیٹوں کوملایا،اور بیچ میں بکس اور گٹھری وغیرہ رکھ دی گئی ، پھربھی بیچ میں جگہ رہ گئی۔تو حاجی صاحب نے فرمایا میں گوڑی موڑی ہوکے یہاں لیٹے جاتا ہوں پھر یہاں بستر لگادو،(اس طرح بستر لگادیا گیا) اعلیٰ حضرت نے آرام کیا،حاجی صاحب بالکل نہیں ہلے،جب اعلیٰ حضرت باتھ روم جانے کواٹھےتو حاجی صاحب نیچے سےنکل آئے،ایسے چاہنے والے تھے۔

دوسری قسط

تذکرہ خلفا و وابستگانِ رضا

بزبانِ حضرت شوکت میاں علیہ الرحمہ دامادِ مفسر اعظم

ترتیب: فیضان المصطفیٰ قادری

گزشتہ شمارے میں داماد مفسر اعظم حضرت مولانا شوکت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا خلاصہ "تذکرہ خانوادۂ رضا" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا۔ اس سلسلے کے دوسری اور آخری قسط حاضر ہے۔ ہمیں قارئین کے تاثرات کا انتظار رہے گا۔ خاکپائے بزرگاں: فیضان المصطفیٰ قادری

مفسر اعظم ہند حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمہ:

مفسر اعظم حضرت جیلانی میاں کی جتنی اولاد ہیں سب اعلیٰ حضرت سے نجیب الطرفین ہیں۔ ایک صاحبزادے (حجۃ الاسلام) کے بڑے بیٹے (جیلانی میاں)، ایک صاحبزادے (مفتی اعظم ہند) کی بڑی بیٹی۔ (یوں ہوا کہ) اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی کا نکاح پڑھا رہے تو دونوں پوتا پوتی پھوپھی کی شادی میں اچھا لباس پہنے ہوئے تھے، پوتے کی عمر آٹھ سال اور پوتی کی عمر پانچ سال، تو اعلیٰ حضرت نے دونوں کو بلایا، ایک کو ایک زانو پر بٹھایا دوسرے کو دوسرے زانو پر، اور فرمایا: حامد میاں کو بلاؤ، مصطفےٰ میاں کو بلاؤ، (دونوں حضرات آئے تو ان سے فرمایا) تمہارے اس بچے کا عقد اس بچی سے کرتا ہوں، تمہاری اس بچی کا عقد اس بچے سے کرتا ہوں، دونوں نے اجازت دیدی، اعلیٰ حضرت نے نکاح پڑھا دیا۔ نکاح کے بعد گھر میں کچھ باتیں ہوئیں تو فرمایا: اگر اس زمین سے آسمان تک کوئی اڑے تو اس بچی کے لیے جیلانی سے بہتر کوئی نہیں۔

اعلیٰ حضرت ان کو (جیلانی میاں کو) بہت چاہتے تھے، یہ خاندان میں واحد تھے جن کو اعلیٰ حضرت نے خود بیعت لیا، اور سب کو تو نوری میاں سے بیعت کرایا، دونوں شہزادگان نوری میاں سے، دونوں بھائی نوری میاں سے، اپنی صاحبزادیاں نوری میاں سے، مگر ان کی خود بیعت لی، اور جب بیعت لی اسی وقت ان کو خلافت دیا۔ (جیلانی میاں کی) چودہ سال کی عمر تھی جب اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا، ان کو وصال بہت اچھی طرح یاد تھا۔

جب میری (شوکت میاں کی) شادی ہوئی (مفسر اعظم کی صاحب زادی سے اس وقت) مفتی اختر رضا پانچ سال کے تھے، قمر رضا ایک سال کے تھے، منان رضا خاں شادی کے دو سال کے بعد پیدا ہوئے، رحمانی میاں چودہ پندرہ سال کے تھے، کیونکہ ہماری بیوی سب سے بڑی تھیں، سب مجھ کو بھائی جان کہتے تھے، (جب کوئی کام ہوتا) رحمانی میاں کہتے تھے: بھائی جان! ابا آپ کی بات نہیں ٹالیں گے، آپ کہہ دیجیے۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ ساتھ نہیں رہتے تھے، سر جھکا کر نکل جاتے، بس میں ساتھ رہتا تھا اور مفتی اختر رضا رہتے تھے۔

منظر اسلام جو قائم ہے یہ انھیں جیلانی میاں کی وجہ سے ہے، کیونکہ یہ تو مولانا تقدس علی خاں صاحب جو ان کے بہنوئی تھے (چلاتے تھے)، وہ پاکستان آگئے اور جو بینک بیلنس اور قبض الوصول تھا وہ سب حضرت (مفتی اعظم ہند) کو دے آئے، ایک فیاض حسین پوسٹ ماسٹر تھے جو نائب مہتمم تھے وہ حضرت سے لے گئے اور خود چلانے لگے ،حضرت جیلانی میاں صاحب کیونکہ گاؤں میں رہتے تھے جو حضرت حجۃ الاسلام کے زمانے سے جاگیر تھی، پھر انھوں نے (آکر) دارالعلوم منظر اسلام کو اپنے تحت لیا۔اور اس طرح انھوں دارالعلوم چلایا کہ (ضرورت پڑی تو) اس کے لیے اپنی اہلیہ کا زیور بیچ دیا۔

جب آپ علیل ہو گئے، فالج ہوا تو لکھ کر بات کرتے تھے، مفتی افضل حسین صاحب سے کہا کہ کل (اساتذہ کی) تنخواہیں ادا کر دی جائیں گی۔ان کی کرامت۔صبح فجر پڑھ کر ناشتہ کر کے رکشہ منگاتے سوداگری محلے جاتے، دن بھر رہتے طلبہ کا مطبخ کا سب (انتظام) کرتے تھے اور عشا پڑھ کر آتے تھے۔صبح کو رکشہ میں گئے، دس بجے ڈاکیہ آتا تھا، (ڈاکیہ آیا) وہ مزار شریف میں تھے فاتحہ پڑھ کے درگاہ سے نکل رہے تھے، میں نے کہا: ابا، ڈاکیہ منی آرڈر لے کر آیا ہے ،بولے: وصول کرلو، وصول کرلیا، بولے: مفتی افضل حسین صاحب کو بلاؤ، وہ آئے تو کہا: دیکھیے یہ روپیہ ہے۔یہ اتنا ہی روپیہ تھا جتنا مدرسین کی تنخواہیں ہوتی ہیں۔فرمایا: میں سمجھ رہا تھا کہ آپ کو کل یقین نہیں آرہا تھا، میں نے اعلیٰ حضرت کے مزار پر حاضری دی، اور عرض کی: حضرت! یہ جیلانی کا مدرسہ نہیں ہے، یہ آپ کا مدرسہ ہے، مدرسین بہت پریشان ہیں، دیکھیے میں نکلا تھا مزار سے کہ یہ روپیہ آگیا۔ فرماتے تھے: تم لوگ اعلیٰ حضرت کی اولاد ہو کر پریشان ہوتے ہو، میں تو اپنے دادا سے عرض کرتا ہوں فوری کام ہو جاتا ہے۔

ان میں ایسی انفرادیت تھی کہ (کسی سے ڈرتے نہ تھے) میں وہاں تھا، انھوں نے کانگریس کے خلاف اشتہار نکال دیا، نہرو کا زمانہ تھا، پنت (سیاسی لیڈر) اس وقت امیدوار تھا، نہرو نے کہا جلدی جاؤ انھوں نے اشتہار نکال دیا ہے، تم تو ہار جاؤ گے۔ پنت آیا، تو لوگ آئے کہا کہ پنت آپ سے ملنا چاہتا ہے، فرمایا: اسے یہاں درگاہ پر نہ لاؤ، میں چلتا ہوں، جب ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: آپ نے ہمارے خلاف اشتہار نکالا ہے، فرمایا: تمہارے خلاف کیا؟ کانگریس کے خلاف نکالا ہے، جتنے بلوے ہوئے سب کانگریس نے کرائے ہیں۔مسجد شہید گنج کا معاملہ کانگریس نے کرایا، پنت نے کہا کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں جو آپ کہیں گے وہ مانا جائے گا۔انھوں نے کہا: تمہاری بات کا یقین نہیں ہے۔نہرو اگر یہ بات مجھ سے کرے تو میں غور کروں گا، اور جو میں کہوں وہ کہے کہ پورا کروں گا تب میں غور کروں گا۔ڈپٹی آغا مرزا (یعنی جو درمیان میں تھے) ان کا منھ اتنا سا رہ گیا، کہنے لگے: پتہ نہیں یہ بند نہ کرادے۔ یہ بات آپ نے سن لی ،فرمایا: اس کا باپ کچھ نہیں کرا سکتا، بند کرا دے گا؟ کیسے بند کرائے گا؟۔کچھ نہیں ہوا اور وہ وہاں سے ہار گیا۔

(حضرت جیلانی میاں) سن ۵۴ میں پاکستان آئے تھے، اعلیٰ حضرت کے عرس میں مفتی ظفر علی نے بلوایا تھا، اس زمانے میں کسی نے درخواست دیدی (بریلی کے) ایس پی کے یہاں، کہ یہ پاکستان جاتے ہیں، وہاں سے پیسے لاتے ہیں۔ جب میں وصال کے بعد (بریلی) گیا تو وہاں انٹری کرانے گیا، تو انسپکٹر نے مجھ سے کہا کہ آپ کے تو وہ پتا (خسر) تھے جو انتقال کر گئے اب میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں، وہ سی آئی ڈی کے ذریعہ جو درخواست ڈالی گئی تھی ،اس نے (اپنے آفیسران سے) کہا کہ خبردار ان کے پاس انکوائری کرنے نہیں جانا۔اور جب ان کے انتقال کی خبر ہوئی تو وہ فائل جلایا، ان کا انتقال ۱۹۶۴ میں ہوا۔

قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

(حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ) سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، ان کے والد قادیانی تھے، اور ان کا استاد قادیانی تھا، وہ پڑھانے میں کوئی نہ کوئی بات قادیانیت کی کرتا جسے (آپ) قبول نہیں کرتے تھے، اس کا رد کرتے تھے، اور وہ والد سے شکایت کرتا کہ ہماری بات نہیں سنتے۔والد نے کہا: ضیاء الدین! اگر تم کو اس گھر میں رہنا ہے تو اس سے پڑھنا ہوگا ،ورنہ اِس گھر سے نکل جاؤ۔یہ (گھر

سے)نکل گئے، لاہور آئے، (وہاں)مولانا غلام قادر بھیروی سنی عالم تھے،ان سے پڑھنے لگ گئے ۔ جب پڑھ لیااور حدیث پاک پڑھنے کا وقت آیا تو انھوں نے کہا کہ محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر ہندوستان میں کوئی محدث نہیں ہے،اگر پڑھنا ہےتو پیلی بھیت شریف جاؤ،تو آپ پیلی بھیت آ گئے ، (اور وہاں پڑھنے لگے)محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ہر جمعرات کو بریلی شریف آتے اور جمعہ اعلیٰ حضرت کے پیچھے پڑھتے تھے،تو کوئی نہ کوئی طالب علم (بھی ساتھ) آتا تھا،تو فرمایا ضیاء الدین!تم چلو گے بریلی شریف؟بولے: چلوں گا،تو اعلیٰ حضرت کی زیارت کی ۔ (اعلیٰ حضرت سے)مرید ہوئے ، پھر ان کی دستار بندی میں اعلیٰ حضرت پیلی بھیت تشریف لائے۔

یہاں سے فارغ ہوئے تو بغداد شریف چلے گئے، اور وہاں حالتِ جذب میں ہوگئے ،بارہ سال حالت جذب میں صحرا گردی کرتے رہے،تو حضرت امام کردی رحمہ اللہ کے سلسلے کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی،انھوں نے نظر ڈالی تو یہ ہوش میں آئے ،انھوں نے کہا : تمہاری کیا آرزو ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ بولے :مدینے شریف چلا جاؤں، فرمایا: بھیج دیتے ہیں، لیکن دو باتیں تمھیں ہماری ماننا پڑیں گی،ایک تو مسجد نبوی میں پہلی صف میں نہ بیٹھنا، دوسرے کتنے ہی فاقے ہوں وہاں کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا۔شریف پاشا کا زمانہ تھا،ایک تو اگلی صف میں بزرگ ہوتے تھے اور بادشاہ کی طرف سے اگلی صف والوں کو دُگنی اشرفیاں دی جاتی تھیں۔(حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ)فرماتے ہیں کہ جو تھوڑا بہت پاس تھا جب ختم ہو گیا اور مجھے فاقے ہونے لگے اور فاقے ایسے ہوئے کہ لیٹے سے بیٹھنا مشکل، بیٹھے سے اٹھنا مشکل، میں نے وعدہ کر لیا تھا کہ کسی سے نہیں مانگوں گا۔ نازک حالت ہوگئی تو دروازے پر دستک ہوئی، میں گیا تو ایک بزرگ شخصیت سفید ریش سفید عمامہ باندھے ہوئے ایک برتن میں آٹا (لیے) فرمایا:ضیاء الدین !اس میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے ہے،اسے رکھو۔حضرت فرماتے ہیں کہ یہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے کہ مدینے پاک کے لوگ ان کے ذمہ سپرد ہیں۔ (حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے آپ کو)اتنی عقیدت تھی کہ آخر میں وہیل چیئر سے احد شریف جاتے تھے،فرمایا ذرا تقویت ہوئی،اس برتن کو نکالا اس میں آٹا تھا اور نیچے دیکھا اس میں اشرفیاں تھیں۔ یہ واقعہ یوں سنایا کہ حضرت کے یہاں کھانا ناشتہ یوں ہوتا جیسے کسی نواب کے یہاں ہوتا ، رات میں جاگتے تھے فجر کے بعد سوتے تھے، گیارہ بجے ناشتا ہوتا تھا، میں وہیں ہوتا، بڑا تھال ہوتا،اس میں انڈے ہاف فرائی الگ، زیتون الگ، بالائی کا ٹین الگ،خاص حلوا الگ، کھجورین الگ، میں نے پوچھا کہ حضرت اتنا کھانا اور بظاہر آمدنی کا کوئی سلسلہ نہیں، اس پر یہ واقعہ بیان فرمایا،آخر میں فرمایا: شوکت بھائی !سب کچھ چھوڑا ،ماں باپ کو چھوڑا، وطن کو چھوڑا، گھر کو چھوڑا،اس در پر آن پڑا، اب یہاں بھی نہ ملے گا تو کہاں ملے گا ؟ بڑے بڑے میمن کراچی (سے) آتے تھے اور حضرت کی نذر کرتے تھے تو کسی کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہم نے زیادہ نذرانہ دیا،ادھر فرماتے تھے:

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے دینے والا ہے سچا ہمارا نبی۔

جب ایک ماہ کے بعد میں چلنے لگا تو فرمایا : کیوں جارہے ہیں؟ تو حضرت نے صدری سے نوٹ نکالے اور مجھے دیا، یہ آپ رکھیے ، (ایک بار) رخصت ہوتے ہوئے حضرت کے پاس آیا، زانو پر سر رکھ کر رویا ،فرمایا آپ پریشان نہ ہوں، آپ کی ہمیشہ حاضری ہوتی رہے گی، اس کی برکت ہے کہ حاضری ہوتی رہتی ہے۔فرمایا:فقیر کے گھر پر کوئی تکلیف ہو تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ فرماتے کہ میرے پیر کے گھر کا کوئی آئے اور ضیاء الدین کے گھر پر اسے آرام ملے اس سے زیادہ مجھے خوشی نہیں ہوگی۔ایک بار پوری فیملی کے ساتھ مدینے شریف حاضری ہوئی حضرت کے گھر پہنچے، سامان رکھا پھر حاضری کے لیے روانہ ہوا، واپس آیا تو دیکھا کہ سامان نہیں تھا فرمایا سامان اوپر کمرے میں منتقل کر دیا گیا ہے وہاں آپ آرام کریں گے، یہ ان کا کمرہ تھا جس میں مسہری وغیرہ تھی مگر وہ ہمیں دیدی، میں نے کہا میں کہیں اور کمرہ دیکھ لیتا ہوں فرمایا یہ نہیں ہوگا، جب تک میں زندہ ہوں ہمارے پیر کے گھر کا کوئی فرد کہیں اور ٹھہرے؟ ۔ یہ گھر بھی چھوٹا تھا،اس سے پہلے والا بڑا تھا مگر اِسے بابِ مجیدی سے قریب ہونے کی وجہ سے لے لیا تھا۔

جب میں (مدینہ شریف) جاتا تھا تو رات کو ان کے کمرے میں رہتا تھا، ایک دن میں نے کہا کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کو دیکھا ہے، کچھ واقعات سنایئے، فرمانے لگے شوکت بھائی، میرے پیر کے ایسے معاملات ہیں کہ دن گزر جائے رات گزر جائے مہینے گزر جائیں سال گزر جائے، ختم نہیں ہوں گے۔ مگر ایک بات فقیر عرض کرتا ہے کہ میرے پیر کا کرم ہے کہ ستر سال ہو گئے مجھے اس آستانے پر، اور نجدی حکومت میرے سامنے آئی، اور نجدیوں نے بڑا ظلم کیا، مگر میرے پیرو مرشد کا کرم کہ مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا، اور میری محفل جاری رہی۔ میں (شوکت میاں) نے خود دیکھا، دروازہ کھول دیا جاتا، اعلیٰ حضرت کی نعتیں اور سلام ہو رہا ہے، نجدی سی آئی ڈی گزر جاتے مگر اندر آنے کی ان کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ فرمایا: دنیا کے علما و مشائخ جو حاضری دیتے ہیں فقیر سے ملاقات کرتے ہیں مگر آج تک اپنے پیر (اعلیٰ حضرت) جیسا کسی کو نہیں پایا۔

(ایک بار) فرمایا کہ (اعلیٰ حضرت کے) وصال سے چھ مہینے پہلے میں نے مدینے پاک میں (ایک) خواب دیکھا، میں نے تعبیر لی کہ میرے پیرو مرشد کا وصال ہونے والا ہے، تو میں نے اپنی اہلیہ سے کہا جو مدنی تھیں، یہ ۱۹۲۰ء کے آخر کی بات ہے، میں نے کہا: میرا سامان تیار کرو میں بریلی شریف جا رہا ہوں، اس زمانے میں عجیب جہاز (ہوا کرتا تھا) وہ پریشان ہوئیں کہ یہ تو اپنے پیر کے عاشق ہیں، کہیں وہیں (بریلی شریف) نہ رہ جائیں، تو انھوں نے مدینے کے علما کو کہا کہ حج کرنے تو جاتے نہیں ہیں، کہ موت کہیں مدینے سے باہر نہ آجائے (ہندوستان کیسے جا رہے ہیں؟)، تو سب لوگوں نے (ان سے) کہا، فرمایا: یہ عقیدہ ہے ضیاء الدین کا کہ اس سفر میں انتقال ہو گیا تو مدینہ شریف آجاؤں گا (یعنی فرشتے بقیع شریف لا کر دفن کر دیں گے)۔ بریلی شریف حاضری ہوئی تو اعلیٰ حضرت نے ایک گھنٹہ میرے لیے خاص رکھا، کہ میں اور اعلیٰ حضرت (ہوتے) اور تیسرا کوئی نہیں، ایک مہینے بریلی شریف میں رہا۔ جب (اعلیٰ حضرت کی) طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو بھوالی پہاڑ جانے لگے، فرمایا ضیاء الدین اب میں جا رہا ہوں اور تم بھی حج کرو، اور مدینے پاک جاؤ۔ (چنانچہ مدینے پاک کے) سفر میں (اعلیٰ حضرت کے) وصال کا تار آیا۔

حضرت (علامہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کا انتقال مدینے شریف میں ہی ۱۹۸۲ء میں ہوا، حضرت) کا جنازہ جب ریاض الجنۃ میں رکھا گیا تو (مسجد نبوی شریف کا) امام کھڑا ہوا نماز جنازہ پڑھانے کے لیے، تو ابوالقاسم جو حضرت کی خدمت میں رہتے تھے انھوں نے امام کو ہٹایا، ان کے خلیفہ شیخ علی مراد کھڑے تھے، ان کو کہا: آپ چلیے، انھوں نے نماز پڑھائی۔ اور پھر جنازہ جب وہاں سے بقیع شریف گیا تو اعلیٰ حضرت کی نعت'' کعبے کے بدر الدجی تم پہ کروڑوں درود'' پڑھتے ہوئے لوگ گئے، اور پرانی بقیع شریف جو بند کر دی گئی تھی، گورنر نے خاص ہدایت دی، اسے کھولا گیا اور وہاں دفن ہوئے۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۹۵۲ء میں ہوا اور ان کا وصال ۱۹۸۲ء میں تیس سال بعد ہوا، مگر ان کے برابر دفن ہوئے۔ اُن کا مزار بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پائنتی ہے اور ان کا بھی پائنتی۔

مبلغ اعظم حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ:

(اعلیٰ حضرت کے) خلفا کی کیا شان تھی، حضرت عبدالعلیم صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت بتاتا ہوں، اس زمانے میں مکہ شریف سے اس طرح مدینے شریف جانا نہیں ہوتا تھا (جیسے اب جب چاہے چل دیے)، باری سے، جب نمبر آتا تھا تو جانا ہوتا تھا، قافلے جاتے یا کچھ بسیں ہوتی تھیں، کون سی بسیں؟ وہ جو اچھے میاں کی بس پیلی بھیت جاتی تھی، ڈبا، کہ جس میں بیٹھیں تو سر چھت سے لگے، (اس زمانے میں مدینے پاک کے لیے) روڈ نہیں تھا۔ تو (ہمیں یعنی حضرت شوکت میاں مرحوم کو) مدینے (روانگی) کے لیے ایک ماہ لگ گیا تھا، مگر حضور مفتی اعظم ہند نے رباط جونا گڑھ کے مہتمم جو سید صاحب تھے ان کو خط لکھ دیا تھا، سید صاحب نے تین کمرہ دیدیا تھا، کوئی تکلیف تو تھی نہیں، جب مدینے شریف پہنچا اور سامان رکھ دیا، اور نکلا تو دیکھا بقیع کی طرف سے حضرت مولانا

عبدالعلیم صدیقی صاحب آرہے ہیں، وہ (اُن کے) نکلنے کا وقت نہیں تھا، وہ تو نمازیں ان (نجدی امام) کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے، وہ عصر کے وقت سلام پیش کرنے کے لیے حاضری دیتے تھے۔ فرمایا: آپ کہاں؟ میں نے کہا: حضرت (علامہ ضیاء الدین مدنی) کے مکان، فرمایا چلیے چلیے میں آپ کو حضرت کے مکان لے چلتا ہوں۔ وہ مجھ کو حضرت کے مکان پر لے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اعلیٰ حضرت نے (انھیں میرے لیے) بھیجا ہو۔

(حضرت عبدالعلیم صدیقی صاحب) روزانہ عصر کے بعد تشریف لاتے، (ایک بار) فرماتے ہیں کہ یوں تو حضرت مفتی اعظم میرے ہم عمر ہیں، لیکن شہزادے ہیں، پیرزادے ہیں، میری شہزادی سے میرا سلام کہہ دیجیے۔ ایک دن آئے اور فرمایا میں آپ کو (مدینے میں) سروس دلا دیتا ہوں، میں نے کہا: کہاں؟ فرمایا (یہاں) میرا ایک مرید لکھنؤ کا تھا اس کی نماز جنازہ پڑھائی، وہ جگہ خالی ہے، میں گورنر سے کہتا ہوں۔ اس زمانے میں گورنمنٹ کے اعزاز سے اُن کا (صدیقی صاحب کا) ہوتا تھا، چار ہزار ریال اس وقت تنخواہ تھی ۴۹ء میں۔ فرمانے لگے۔ قبا شریف میں مکان بنوار ہا ہوں، آپ یہاں (میرے مکان پر) رہیے، اور کہیں بھی میں رہوں گا آپ کا خرچ بھیجوں گا، (اعلیٰ حضرت کے) ایسے چاہنے والے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے: وہ امیر مینائی کا شعر سنا آپ نے؟

مدینے جاؤں پھر آؤں مدینے پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہوجائے

فرمانے لگے: فقیر کا مشرب اس کے خلاف ہے، مدینے آکر پھر جانا کیسا؟ (بلکہ یوں)

مدینے آؤں نہ جاؤں یہیں پہ رہ جاؤں
در حبیب پہ قصہ تمام ہوجائے

وہی ہوا، ورلڈ ٹور پر تھے، مدینے ٹرانزٹ میں تھے، اترے کچھ طبیعت خراب ہوئی اور وہیں پر وصال ہوگیا۔

محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

(دارالعلوم مظہر اسلام کے قیام کی وجہ):

منظر اسلام میں طلبہ کے دو گروپ تھے، ایک بہار اور ایک بنگال، یہی دو جگہ کے طلبہ کثرت سے تھے، یوپی سے کم تھے، ہوا یہ کہ مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الف با سے عربی پڑھی اور وہیں مدرس ہوگئے، اور ایسا فیض ہوا ان پر کہ طلبہ ان سے بہت قریب ہوگئے، تو آپس میں چل گئی کہ یہ ایک طالب علم الف با سے پڑھا اور ان کو اتنا......، حضرت حجۃ الاسلام حیات تھے، تو مولانا سردار احمد صاحب تو بڑے چاہنے والے تھے، انھوں نے سوچا کہ حضرت کے دل میں میری طرف سے کہیں کوئی بات نہ آئے، تو میں بریلی شریف سے رخصت ہولوں۔ یہ حضرت مفتی اعظم نے مجھ سے بتایا، پھر حضرت نے فرمایا: جب جانے لگے تو اسی دروازے میں مجھ سے ملے اور آبدیدہ تھے، تو میں نے کہا: آپ نہیں جائیں گے، کل سے مسجد بی بی جی میں آپ رہیں گے اور میں انتظام کرتا ہوں، یہ بات ہے سن بیالیس کی، تو حضرت نے اس زمانے میں اپنے پاس سے دس ہزار روپیہ دے کر شروع کیا، حضرت شیخ الحدیث ہی دہلی جا کر کتابیں لائے تھے۔ اب وہ اور ان کے طلبہ یہ مولانا تحسین رضا خاں، ابراہیم خوشتر یہ سب ان کے طلبہ تھے، بی بی جی کی مسجد آگئے، یوں دو مدرسے ہوئے، پھر یہ بات چلی کی ایک ہوجائیں، حضرت حجۃ الاسلام کا وصال ہوگیا، کچھ لوگ بیچ میں رہتے ہیں انھوں نے نہیں چاہا کہ ایک ہوں۔

بی بی جی کی مسجد کے قریب مسلمانوں کے دو تین گھر تھے، باقی سب ہندوؤں کا گڑھ تھا، جب ملک تقسیم ہور ہا تھا اور بلوے ہورہے تھے اسی دوران خبر اڑ گئی کہ محدث اعظم شہید کردیے گئے، تو صدرالشریعہ کو گھوسی خبر ہوئی تو انھوں نے فاتحہ وغیرہ بھی پڑھی، پھر جب خبر ہوئی تو صدرالشریعہ کو بہت خوشی ہوئی۔ تو حضرت محدث صاحب رمضان شریف میں گھر گرداس پور آئے ہوئے تھے، اسی دوران پاکستان بن گیا، تو اس وقت حالات بہت خراب ہوگئے،

کیونکہ یہ شیخ گھرانے کے تھے، وہاں ہندوؤں نے کہا کہ اب آپ کا یہاں رہنا صحیح نہیں، گرداس پور سے پاکستان قریب تھا، تو سنا کہ فوجی ٹرک آرہے تھے، اس میں بیٹھ کر پاکستان آ گئے، ''بھکی'' ایک جگہ ہے، وہاں مولانا جلال الدین صاحب نابینا جنھوں نے بریلی شریف میں پڑھا تھا محدث صاحب کے شاگرد تھے، انھوں نے پہلے اپنے یہاں رکھا، پھر اس کے بعد جھنگ بھی گئے۔ دوسرا حج حضرت مفتی اعظم نے ۴۸ میں کیا، تو ان کو خط لکھا کہ حضرت جھنگ والے کہہ رہے ہیں کہ دارالعلوم یہاں بناؤں یا فیصل آباد؟ دو تین جگہ کے بارے میں لکھا، تو حضرت جب حج کو گئے تو ڈاک ساتھ تھی، جب مدینے پہنچے، وہاں کچھ مہلت ہوئی تو حضرت نے خط لکھا کہ آپ لائل پور (فیصل آباد) میں قائم کیجیے۔ جب یہ خط محدث صاحب کو پہنچا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دربار سے بھی اجازت ہے، اور حضور مفتی اعظم نے بھی ارشاد فرمایا اس لیے فقیر فیصل آباد ہی شروع کرے گا۔ فیصل آباد تو غیر مقلدوں کا گڑھ تھا، وہاں جھنگ بازار رش ایریا' وہاں ایک پیڑ کے نیچے ٹاٹ باندھ دیا اور بیٹھ کر پڑھانے لگے۔ اب دیوبندیوں میں بڑی کھلبلی مچی، انھوں نے کلکٹر کو خبر کی کہ دیکھیے گورنمنٹ کی زمین پر قبضہ کرلیا، کلکٹر انگریز تھا، معائنے کے لیے آیا، محدث اعظم پاکستان اپنا پڑھاتے رہے، کلکٹر آئے کوئی آئے انھوں نے پروا نہیں کی، تو بہت متاثر ہوا اور پھر اس نے اپنے سکریٹری سے کہا: ان سے کہو کہ یہ پڑھائیں، یہاں پر اپنا کام جاری رکھیں، یہاں پر مدرسہ بنائیں، گورنمنٹ کو کوئی اعتراض نہیں۔ بڑی سنگلاخ زمین میں شروع کیا، (اور عالی شان ادارہ بنایا) صرف بارہ سال ملا، ۱۹۶۲ء میں تو انتقال ہو گیا۔ (اعلیٰ حضرت کے) ایسے چاہنے والے تھے، شروع کا جو دروازہ تھا اسے باب رضا (نام دیا) آگے چلیے تو جامعہ رضویہ مظہر اسلام، پھر سنی رضوی جامع مسجد بہت بڑی جامع مسجد بنائی، کہتے تھے کہ سب کچھ ہے، اب دل چاہتا ہے کہ اس محلے کا نام سوداگران رکھ دیا جائے۔

(ان کے خلاف) لوگوں نے مختلف نوع کے مقدمات کیے، یہ کہہ کر کہ اختلافات پھیلا رہے ہیں بیس بائیس مقدمے چلے، مگر کورٹ نہیں جانا پڑا۔ ہر جمعرات کو داتا دربار جاتے اور دیر تک دعائیں کرتے، وکیلوں کو بتا بتا کر انھیں عالم بنا دیا۔

رضویت دو شخصیتوں میں میں نے بہت زیادہ دیکھی، ایک شیر بیشہ اہل سنت میں اور ایک محدث اعظم پاکستان میں۔ اُن میں تھی تو اُنھوں نے تو اعلیٰ حضرت کی سو بار زیارت کی تھی، اِنھوں نے تو کی نہیں، مگر فنا فی الرضا تھے۔ حضرت جیلانی میاں رحمۃ اللہ علیہ سن ۵۴ میں کراچی آئے تو محدث صاحب نے ان کی فیصل آباد دعوت دی، تو فیصل آباد والے کہتے ہیں کہ ایسا استقبال کسی کا نہیں ہوا۔ جیلانی میاں خود فرماتے تھے کہ مولوی سردار احمد صاحب میرے سامنے دوزانو بیٹھتے تھے تو مجھے بڑا احساس ہوتا تھا، یہ دیکھ کر کہ مولانا سردار احمد صاحب ان کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہیں بڑے بڑے وکیل حضرت مفسر اعظم کے مرید ہوئے، (محدث صاحب کا) وصال تو کراچی میں ہوا، مگر جب وہ آئے تھے (تو ڈاکٹر نے) دارالعلوم امجدیہ کے پاس ایک فلیٹ دے دیا تھا، اور کہا کہ آپ کسی کے گھر نہیں جائیں گے۔ ایک دن میں گیا تو حضرت لیٹے ہوئے تھے، مولوی معین شافعی خدمت میں تھے، دو شاگرد کو ساتھ لے کر آئے تھے، ایک تو مولوی عبدالقادر مرحوم احمد آباد کے اور دوسرے مولانا غلام معین الدین شافعی بھیونڈی کے، مولانا حامد فقیہ کے عزیز، مولانا حامد فقیہ مولانا محسن فقیہ دو بھائی تھے، اور دونوں نے صدر الشریعہ سے بریلی شریف میں پڑھا، مولانا حامد فقیہ بمبئی رہ گئے اور مولانا محسن فقیہ کراچی آ گئے، تو یہ تھے مولانا غلام معین الدین شافعی ان دونوں شاگردوں کو (حضرت محدث اعظم کراچی) ساتھ لائے تھے، انھوں نے بڑی خدمت کی، تو میں کہہ رہا تھا مولوی معین سے کہ اس بار حضرت ہمارے یہاں نہیں آسکتے، (آپ نے سن لیا تو فرمایا) فقیر ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے گھر پر حاضری دے گا، اور عصر کے وقت تشریف لائے اور ایسے ہی نہیں آئے، مٹھائی کا ڈبا، کپڑا، لفافہ لے کر آئے۔ وصال سے ایک دن پہلے فرمایا: الحمد للہ آج میرے پیر کام دے رہے ہیں، تھوڑی جگہ تھی، کچھ چلے، ایک طرف مولوی معین تھے ایک طرف میں، سانس پھول رہے تھے، اس

حالت میں بھی دو گھنٹے بریلی شریف کا ذکر کرتے رہے زار و قطار روتے رہے۔ حضور حجۃ الاسلام کا کرم، حضور مفتی اعظم کا کرم، حضرت چھوٹی بی صاحبہ کا فقیر پر کرم، اور پھر آخر میں فرمایا کہ فقیر کی کم نصیبی کہ فوٹو کی وجہ سے بریلی شریف حاضری نہیں دے سکا۔

تاج الشریعہ مدظلہ العالی:

رمضان میں مدینے شریف ہوتا ہوں، مفتی اختر رضا ہوتے ہیں، وہاں کون کس کو پوچھتا ہے، مگر واحد شخصیت ہے ان (تاج الشریعہ) کی جو کمرے سے نکلتے ہیں حاضری تک پورا مجمع پیچھے ہوجاتا ہے، شُرطے پوچھتے ہیں: یہ کون ہے؟ اور پورے دیڑھ گھنٹے تک مواجہہ شریف میں کھڑے ہوتے ہیں، پورا قصیدہ بردہ شریف قصیدہ غوثیہ شریف، نعت شریف پڑھتے ہیں۔ (اس دوران) ان کا پیر نہیں ہلتا، ہاتھ نہیں ہلتا اور سر نہیں ہلتا۔ مولانا نور المصطفیٰ پنجاب کے وہ کہہ رہے تھے آپ نے غور کیا؟ براہ راست حضور کی زیارت کر رہے ہیں، ورنہ ممکن ہے کہ دیڑھ گھنٹہ آدمی کھڑا رہے اور ذرا بھی جنبش نہ ہو، ایسی محویت اسی وقت ہوسکتی ہے جب (کوئی) براہ راست زیارت کر رہا ہو۔ حضرت صدیق اکبر کے فضائل میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں اپنا مصلا ان کے سپرد کیا، تو جب مفتی اختر رضا خاں جامعہ ازہر سے آئے تو مفتی اعظم نے ان کو مصلا سپرد کیا، تو ان کے ہوتے کوئی اور نماز نہیں پڑھا سکتا، اور عید گاہ میں جو نماز پڑھاتے تھے عیدگاہ کی امامت (بھی) ان کے سپرد کی۔ پھر جب علیل ہوئے تو فتوی ان کے سپرد کیا، یہ حضرت کی نظر کرم سے ہی مفتی ہو گئے۔ یہ لکھ کر لاتے (اور حضرت تصحیح کرتے) مگر بغیر دیکھے تصحیح نہیں کرتے۔ ایک دفعہ مرید کرنے میں (ایک ارادت کے خواہشمند سے) فرمایا اختر میاں سے مرید ہوجاؤ، سفر میں بھی (تاج الشریعہ کو) ساتھ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ناگپور جلسے میں حضرت کے ساتھ یہ تھے، تو جب چندے کا اعلان ہوا تو ان (تاج الشریعہ) کو خیال آیا کہ میری صدری کمرے پر رہ گئی، ورنہ میں بھی چندہ دیتا، مفتی اختر رضا کہتے ہیں کہ ابھی خیال ہی آیا کہ حضرت نے روپے جیب سے نکالے اور فرمایا کہ یہ اختر میاں کی طرف سے ہیں۔

خادم خاص اعلیٰ حضرت حاجی کفایت اللہ مرحوم:

حاجی کفایت اللہ مرحوم اعلیٰ حضرت کے خادم خاص تھے، سفر میں بھی ساتھ رہتے، اعلیٰ حضرت کے بڑے چاہنے والے تھے۔ حضور حجۃ الاسلام کے پائنتی مولانا حسنین رضا خاں کا مزار ہے اس کے بعد حاجی کفایت اللہ صاحب کا مزار ہے، دونوں کا مزار آس پاس ہے۔ ہوا یہ کہ جبل پور کے سفر میں یہ (اعلیٰ حضرت کے) ساتھ تھے، جمعہ کا دن تھا، اعلیٰ حضرت غسل کو گئے، حاجی صاحب نے کپڑے نکالے، اتفاق سے کرتے کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا تھا، اعلیٰ حضرت لباس میں بڑا..........غصہ فرمایا، اور فرمایا: حاجی یہ میرا مر کے بھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ بس یہ ایسا اعلیٰ حضرت کا کہنا ہوا کہ (وہیں مزار شریف پر) وصال ہوا، جب تک حیات رہے مزار شریف میں رہے، مزار شریف کے مین دروازے پر بیٹھ کر وضو کرتے، بس رفع حاجت کو باہر نکلتے تھے اور نماز کو مسجد، بس، جب پاکستان بنا اور شرنارتھی آ گئے اور جس مکان میں منانی میاں (رہتے) وہ بھی شرنارتھیوں کے پاس، پھاٹک بھی نہیں، مزار پر شرنارتھیوں کے لڑکے گھومتے تھے، تو اُن کے پوتے۔ چھوٹے چھوٹے تھے۔ اب بڑے ہو گئے ہیں مشتاق اور ایک انوار کا انتقال ہو گیا ۔ کہتے دادا آپ کو کوئی (شرنارتھی) رات میں مار ڈالیں گے (یہاں سے چلیے) تو بولے: اعلیٰ حضرت کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ جب اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا تو دونوں شہزادگان سے اپنے دفن کا اجازت نامہ لکھوا کے وہیں ٹانگ دیا تھا۔

علما ان کی خدمت میں دو زانو بیٹھتے تھے، حاجی صاحب بالکل بے پڑھے تھے، تو بیٹھتے تو شیخ الحدیث صاحب (مولانا سردار احمد صاحب) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے: حاجی صاحب! فقیر اپنے عمر کی تمام نیکیاں تمام علم جو میں نے حاصل کیا آپ کی نذر کرتا' ایک نظر جو آپ نے اعلیٰ حضرت کی زیارت کی فقیر کو عنایت کر دیجیے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

قومی مسائل

قسط چہارم

وارن ہیسٹنگز جوڈیشیل پلان: ۱۷۷۲ء

{Warren Hastings Judicial Plan, 1772}

طارق انور مصباحی (کیرلا)

برطانوی ہند {British India} کے فرسٹ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) (۱۷۳۲ء-۱۸۱۸ء) نے جوڈیشیل پلان: ۱۷۷۲ء (Judicial Plan,1772) میں قرآنی قوانین (The laws of Quran) کو مسلمانوں کے لیے اور شاستر کے قوانین (The laws of Shastara) کو ہندوؤں کے لیے قابل اطلاق قرار دیا اور عدالتوں کو مذہبی وسماجی امور میں اسی کے مطابق فیصلوں کا حکم دیا۔ وارن ہیسٹنگز کے اسی قانون کو گورنر جنرل کارنوالس (۱۷۳۸ء-۱۸۰۵ء) نے کارنوالس کوڈ: ۱۷۹۳ء (Cornwalis Code, 1793) میں دوبارہ قانونی حیثیت دی۔ سال ۱۷۷۲ء سے تادم تحریر ''پرسنل لا'' ملک ہند کی عدالتوں میں قابل اطلاق ہیں، حالانکہ شخصی قوانین {Personal laws} کو ناقابل عمل قرار دینے کی بار بار کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ وارن ہیسٹنگز کی مدت حکومت: ۱۷۷۲ء-۱۷۸۵ء ہے، اور کارنوالس کی مدت حکومت: ۱۷۸۶ء-۱۷۹۳ء ہے۔

سلطنت اسلامیہ میں پرسنل لا کا تحفظ

جب ملک ہند میں مسلم بادشاہت تھی تو مذہبی وسماجی امور کے فیصلے گاؤں وشہر کے بزرگوں کی مجلس کیا کرتی تھی، جسے پنچایت کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے رسوم ورواج کے مطابق فیصلے کرتے اور سلطنت اسلامیہ ان امور میں دخل انداز نہ ہوتی۔ عدالت میں قاضی، اسلامی قوانین کو صرف مسلمانوں پر نافذ کرتے۔ اس طرح ہندو پرسنل لا اور مسلم پرسنل لا کا واضح تصور سلاطین اسلامیہ کے ابتدائی عہد ہی میں پیدا ہو چکا تھا اور اہل ہند اپنے رسوم ورواج اور مذہبی قوانین پر عمل کے عادی ہو چکے تھے۔

ہندوستان کے مشہور مؤرخ تاراچند نے لکھا: ''ہندوؤں سے مسلمانوں میں حکومت کے منتقل ہونے میں صرف وہ ہاتھ تبدیل ہوا تھا جو تلوار چلاتا تھا اور انعام واکرام بخشتا تھا، لیکن حکومت کی مشین اور اس سے بھی زیادہ سوسائٹی کے ڈھانچے میں بہت خفیف تبدیلی ہوئی، اور نظم و نسق کا غیر فوجی جز بلالحاظ سہولت تقریباً کل کا کل ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ گیا''۔

(تاریخ تحریک آزادی ہند جلد اول ص ۳۵۱-قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، دہلی)

ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے کبھی بھی ہندوؤں کے مذہبی وعائلی امور میں دخل اندازی نہ کیں۔ مؤرخ تاراچند نے لکھا: ''حکومت کے عمل کا دائرہ انتہائی محدود تھا، یعنی صرف حفاظت کے لیے فوج کا قیام، بدامنیوں کی روک تھام اور فوج کے خرچ کے لیے محاصل جمع کرنا۔ قانون سازی ان کے دائرے سے خارج تھی، اور یہی حال عدالتی نظام کے بیشتر حصہ کا تھا۔ قانون بنانے کے لیے کوئی جماعت نہ تھی۔ سول اور ذاتی تنازعات زیادہ تر غیر سرکاری ایجنسیوں کے ذریعہ طے ہوتے تھے''۔ (تاریخ تحریک آزادی ہند جلد اول ص ۲۳)

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔ ''ہندوؤں کو آزادی تھی کہ وہ حکومت سے بغیر کوئی مدد لیے ہوئے اپنے خاندانی معاملات کا تصفیہ اپنے قوانین کی رو سے کریں۔ انہیں اپنے قوانین اور رسوم ورواج کی پابندی کی آزادی تھی۔ ان کے تنازعات کا تصفیہ عموماً پنڈت یا ممبران جیوری یا پنچایتیں کرتی تھیں''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۲۶)

برطانوی عہد میں پرسنل لا پر عمل

انگریزی حکومت کے عہد میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی وعائلی امور کے فیصلے ان کے پرسنل لا کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ مشہور مؤرخ تاراچند نے لکھا۔ '' گورنر جنرل کو قوانین وضع کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، اس میں صرف ایک استثنا تھا۔ ۱۷۹۳ء کے ریگولیشن نے یہ قانون بنادیا تھا کہ وہ مقدمات جو جانشینی، وراثت، شادی اور ذات سے تعلق رکھتے ہوں، اور تمام مذہبی مراسم اور اداروں کے معاملات کے بارے میں جج اپنے فیصلے مسلمانوں کے بارے میں مسلمانوں کے قوانین اور ہندوؤں کے بارے میں ہندوؤں کے قانون کے مطابق کریں۔ بنائے مخاصمت کی ان باتوں کے علاوہ جن کا ذکر ریگولیشن میں تھا، ہندو اور مسلم لا کالازماً عمل درآمد ہوگیا''۔

(تاریخ تحریک آزادی ہند جلد اول ص ۳۶۱)

چارٹر ایکٹ: ۱۷۵۳ء

جب ہندوستان کے کچھ علاقوں میں انگریزوں کی حکمرانی (ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت) قائم ہوئی تو سال ۱۹۵۳ء میں شاہ برطانیہ جارج دوم (George II) کی جانب سے ہند کے انگریز حکمرانوں کے لیے چارٹر ایکٹ: ۱۷۵۳ء (Charter Act, 1753) آیا۔ اس میں یہ صراحت تھی کہ انڈیا کے مقامی لوگوں کے مذہبی وسماجی امور میں دخل اندازی نہ کی جائے۔ وہ اپنے مذہبی وسماجی فیصلے خود کریں۔ جب میئر کورٹ (Mayor,s Court) میں دونوں فریق درخواست دیں اور دونوں فریق انگریزی کورٹ کے قانون پر عمل کرنے پر راضی ہوں، تب کورٹ میں مقدمہ چلایا جائے۔ جارج آگسٹس دوم (George Augustus II) (۱۶۸۳ء-۱۷۶۰ء) ۱۱/ جون ۱۹۲۷ء سے ۲۵/ اکتوبر ۱۷۶۰ء تک برطانیہ کا بادشاہ تھا۔

گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کا جوڈیشیل پلان: ۱۷۷۲ء

ایم پی جین {M P Jain} پروفیسر آف لا، دہلی یونیورسٹی (دہلی) نے ہندوستان کی قانونی تاریخ پر معرکۃ الآرا کتاب ''Outlines of Indian Legal History'' تحریر کی۔ اس کا اردو ترجمہ بنام ''ہندوستان کی قانونی تاریخ'' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (دہلی) نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے اقتباسات شامل مضمون ہیں۔

وارن ہیسٹنگز کا جوڈیشیل پلان: ۱۷۷۲ء ۳۷/ دفعات پر مشتمل تھا۔ اسی کی دفعہ 23/ اقوام ہند کے پرسنل لا سے متعلق تھی۔ اس وقت انگریزوں کو ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی مسلم قوم اور ہندو قوم کے شخصی قوانین {Personal Laws} کے تحفظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دیگر اقوام کا صحیح علم انگریزوں کو نہ تھا، اس لیے ان اقوام کا تذکرہ نہ کیا گیا۔

ایم پی جین نے لکھا۔ ''۱۷۷۲ء میں وارن ہیسٹنگز کے منصوبے کا انہیں صفحات میں پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ اگر ہم بنگال، بہار اور اڑیسہ کے مفصلات میں قانون کے ارتقا کے عمل کا جائزہ لیں تو اس جائزے کی ابتدا عدالتی نظام کی ابتدا کی طرح وارن ہیسٹنگز کے منصوبے سے کرنی

پڑے گی۔ پہلی بار اس منصوبے کے تحت کمپنی کی حکومت نے عدالتوں کا ایک نظام قائم کیا۔ جہاں تک اس کا سوال تھا کہ یہ عدالتیں کس قانون کا اطلاق کریں گی، اس بارے میں منصوبے میں تفصیل کے ساتھ کچھ تحریر نہیں تھا اور اس اعتبار سے یہ منصوبہ نامکمل تھا۔ منصوبے میں صرف دفعہ۲۳/ ایک ایسی دفعہ تھی جو قابل ذکر ہے۔ اس دفعہ میں تحریر تھا کہ:

''وراثت، ازدواج، ذات پات اور دیگر مذہبی رسوم وروایات کے معاملات میں مسلمانوں پر قرآن کے اصولوں کا اور ہندوؤں پر شاستروں کے اصولوں کا بلاکسی استثنا کے اطلاق ہوگا۔ ان قوانین کی توضیح وتشریح مولوی یا برہمن کریں گے، اور فیصلے پر دستخط کریں گے، اور ڈگری جاری کرنے میں تعاون کریں گے''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۸۱۶-قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی)

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔ ''ہیسٹنگز نے مسلمانوں پر ''قانون قرآن'' اور ہندوؤں پر قانون شاستر'' کے اصولوں کے اطلاق کا جو اصول وضع کیا تھا، اسے ۱۷۹۳ء کے کارنوالس کوڈ میں ان الفاظ کا جامہ پہنایا گیا۔

''ان تمام معاملات میں جن کا تعلق وراثت، ترکہ، ازدواج اور ذات پات سے ہو، یا مذہبی رواجوں اور دستوروں سے ہو، عدالتوں کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے فیصلے دیتے وقت مسلمانوں پر اسلامی قانون اور ہندوؤں پر ہندو قانون کے اصولوں کا عام قانون کے اصولوں کی طرح اطلاق کریں''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۱۰۴۴)

وارن ہیسٹنگز نے اپنے جوڈیشیل پلان: ۱۷۷۲ء میں ''قانون قرآن'' اور ''قانون شاستر'' کا لفظ استعمال کیا تھا اور جنرل کارنوالس کوڈ: ۱۷۹۳ء میں اسی کو ''اسلامی قانون'' اور ''ہندو قانون'' سے تعبیر کیا گیا تھا۔

پروفیسر جین نے لکھا۔ ''قرآن کا قانون'' اور ''شاستروں کا قانون'' کے الفاظ جو ۱۷۷۲ء میں استعمال کیے گئے تھے، یا ''ہندو قانون'' اور ''اسلامی قانون'' کے جو فقرے ۱۷۹۳ء میں استعمال کیے گئے تھے''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۱۰۴۶-قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی)

دیگر اقوام کے پرسنل لا

ابتدائی مرحلہ میں انگریز حکام کو قوم مسلم اور قوم ہنود کا علم تھا اور یہی دونوں قومیں عموماً ملک ہند میں ہر جگہ آباد تھیں، اس لیے وارن ہیسٹنگز کے جوڈیشیل پلان: ۱۷۷۲ء میں ان دونوں قوموں کا تذکرہ کیا گیا، لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ برطانوی حکومت دیگر اقوام کو نظر انداز کرنا چاہتی تھی، بلکہ تمام رعایا کے مذہب کا تحفظ مقصود تھا۔

ایم پی جین نے لکھا۔ ''دفعہ۲۳/ میں جو اصول درج تھا، اس کا اطلاق صرف ہندوؤں اور مسلمانوں پر ہوتا تھا، لیکن مفصل میں ان دو بڑی قوموں کے علاوہ بہت سی دوسری قومیں مثلاً پارسی، عیسائی، سکھ وغیرہ آباد تھیں، جن کے خود کے اپنے قوانین اور رسوم ورواج تھے۔ ان قوانین اور رسوم ورواج کا کئی صورتوں میں مذہب سے تعلق تھا۔ وارن ہیسٹنگز کے منصوبے میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں پر کس قانون کا اطلاق ہوگا؟ مخصوص طور پر اس امر کا ذکر نہ کرنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ ہندوستان کے صحیح حالات سے شروع کے انگریز حکمراں واقف نہیں تھے۔ آچاریہ کا کہنا ہے کہ:

''شروع میں جو قوانین، ضوابط اور فرامین وضع ہوئے، ان کے وضع کرنے والے ہندوستان میں موجود عقائد اور مذہبی قانون کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے بارے میں اس حد تک واقف نہیں تھے، جتنا آج ہم واقف ہیں۔ وہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کی دو عظیم

قوموں سے واقف تھے، جن کے اپنے اپنے مذہبی قوانین تھے۔انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے لیے اسلامی قانون اور ہندوؤں کے لیے شاستر کے قانون کو مخصوص کر دینا امور انصاف کے لیے کافی تھا''۔

اس لیے ان کی نیت یہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ دوسرے فرقوں کے لوگوں کو جان بوجھ کر ان کے اپنے مخصوص قوانین سے محروم رکھنا چاہتے تھے''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۱۷)

برطانوی حکومت نے اہل ہند کے تحفظ واحترام کو مدنظر رکھا تھا، اس لیے ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں یعنی مسلم اور ہندو کے پرسنل لا پر خاص توجہ ابتدائے امر سے رہی، یعنی وارن ہسٹنگز نے سال ۱۷۷۲ء کے جوڈیشیل پلان میں ہی مسلم پرسنل لا اور ہندو پرسنل لا کے تحفظ کا تذکرہ کر دیا تھا۔ ہندوستان میں پارسی، عیسائی، یہودی وغیرہ بھی قلیل تعداد میں آباد تھے، اس لیے ان اقوام کے رسوم ورواج کا بھی لحاظ ہوتا تھا اور ان کے لیے بھی ایکٹ بنائے گئے تھے، جن کے ذریعہ متعدد امور میں ان کے پرسنل لا کا تحفظ کیا گیا۔ پارسیوں اور عیسائیوں کے لیے بھی خاص ایکٹ پاس کیے گئے۔ برطانوی عہد کے پرسنل لا ایکٹس {Persol Law Acts} کو دیکھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ پارسی قوم کے لیے سال ۱۸۶۴ء میں خاص طور پر ایک ''پارسی لا کمیشن'' بنایا گیا۔

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔''پارسی لا کمیشن نے سفارش کی کہ تمام پارسیوں کے لیے چاہے، ان کا تعلق پریسیڈنسی شہروں سے ہو، یا مفصل سے ہو، ایک علاحدہ قانون وضع کیا جائے''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۹۸۶)

برطانوی عہد کے پرسنل لا سے متعلق متعدد قوانین درج ذیل ہیں۔اس فہرست سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان کی مختلف اقوام کے پرسنل لا کا تحفظ کیا، بلکہ مختلف علاقوں میں پائے جانے والے رسوم ورواج کا بھی تحفظ کیا۔

Personal Law Acts

1-Caste Disabilities Removal Act, 1850

2-The Hindu Widow Remarriage Act, 1856

3-Convert,s Marriage Dissolution Act, 1866

4-Indian Divorce Act, 1869

5-Hindu wills act. 1870

6-Indian Christian Marriage Act, 1872

7-Married Women,s Property Act, 1874

8-The Indian Majority Act, 1875

9-The Bengal Mohammedan Marriages and Divorces Registration Act, 1876

10-Kazis Act, 1880

11-Marriage Validation Act, 1892

12-Anand Marriage Act, 1909

13-Hindu Disposition of Property Act, 1916

14-Indian Succession Act, 1925

15-Hindu Inheritance {Removal of Disabilities} Act, 1928

16-Hindu Gains of Learning Act, 1930

17-Jabbalpore and Chhattisgarh Divisions {Divorce Proceedings Validation} Act, 1935

18-Parsi Marriage and Divorce Act, 1936

19-Bangalore Marriages Validating Act, 1936

20-Arya Marriage Validation Act, 1937

21-Muslim Personal Law {Shariat} Application Act, 1937

22-Cutchi Memons Act, 1938

23-Dissolution of Muslim Marriages Act,1939.

ذیلی فرقوں کے پرسنل لا

مسلمانوں اور ہندوؤں میں متعدد ذیلی فرقے بھی تھے، اس کا تفصیلی ذکر وارن ہیسٹنگز کے جوڈیشیل پلان :۱۷۷۲ء میں نہ تھا۔ بعد میں ان امور کی تشریح کر دی گئی کہ ہر فرقے کو ان کے اپنے اپنے پرسنل لا پر عمل کی اجازت ہے۔

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔ ''۱۷۷۲ء کے منصوبے کی دفعہ 23 / نے یہ نہیں بتایا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان جو مختلف فرقے یا مختلف عقائد کے لوگ موجود تھے، ان پر کس قانون کا اطلاق ہوگا؟ مختلف زمانوں میں اور مختلف حالات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان متعدد فرقے وجود میں آئے ہیں۔ وارن ہیسٹنگز کے منصوبے کی جب تشکیل کی گئی تو اس وقت انگریز حکمرانوں کو ان فرقوں کے وجود کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا، چنانچہ ایک عرصے تک عدالتوں کے سامنے یہ مسئلہ درپیش رہا کہ ان فرقوں پر کس قانون کا اطلاق کیا جائے۔ کافی عرصے کے بعد ہی عدالتوں نے ان فرقوں کی علاحدہ حیثیت کو تسلیم کیا اور رفتہ رفتہ عدالتی فیصلوں کے ذریعہ یہ بات طے ہوئی کہ ان فرقوں پر کس قانون کا اطلاق ہوگا اور جب مختلف فرقوں اور عقائد کے لوگوں کے بارے میں قانون بنانے والوں کو زیادہ مکمل معلومات حاصل ہوئیں تو قوانین میں بھی مخصوص طور پر ان فرقوں کا ذکر کیا جانے لگا۔

چنانچہ مثال کے طور پر ہندو ولس ایکٹ مجریہ: ۱۸۷۰ء (ہندوؤں کی وصیت سے متعلق قانون) میں اعلان کیا گیا کہ اس قانون کا اطلاق ہندوؤں، جینیوں، سکھوں یا بدھوں کی وصیت پر ہوگا، پھر مسلمانوں کے درمیان شیعہ اور سنی اور ہندوؤں میں مختلف سلسلہ عقائد کا بھی ایک مسئلہ تھا۔ دفعہ ۲۳/ میں جو دو فقرے ''قرآن کا قانون'' اور ''شاستروں کا قانون'' استعمال کیے گئے تھے، ان کا مطلب بھی واضح نہیں تھا۔ سوال یہ تھا کہ قرآن اور شاستر کے قوانین سے حقیقتاً کیا مراد تھی؟ کیا ان میں قرآن اور دھرم شاستر کے اصولوں کے علاوہ رسوم و رواج اور قانون کے دوسرے ماخذ بھی شامل تھے؟

۱۷۷۲ء کے منصوبے نے ان سوالات کا کوئی حل پیش نہیں کیا۔ عدالتوں کو وقتاً فوقتاً ان سوالات سے دوچار ہونا پڑتا تھا اور تنازعات کا تصفیہ کرنے کے لیے انہیں ان سوالات کا مناسب جواب تلاش کرنا پڑتا تھا، تاہم اس کے باوجود کہ اس منصوبے میں سنگین نوعیت کی خامیاں تھیں، منصوبے کی اہمیت کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ اس منصوبے کو مفصل میں ایک نظام قانون کی ابتدا کرنے کی سب سے پہلی کوشش کہا جا سکتا ہے۔ اس منصوبے نے مستقبل میں ملک میں بنائے جانے والے قوانین کے لیے ایک خاکہ اور نقشہ پیش کیا۔ آج ہندوستان کے قانونی نظام کی بعض خصوصیات ایسی ہیں، جن کا سلسلہ براہ راست ۱۷۷۲ء کے منصوبے سے ملتا ہے''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۱۸)

پرسنل لا کی حمایت اور مدافعانہ کوششیں

وارن ہیسٹنگز اپنے اس اصول پر سختی کے ساتھ کاربند رہا کہ ہندوستانیوں کو ان کے پرسنل لا پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے لیے ہیسٹنگز نے برطانیہ کے اعلیٰ حکام تک ماحول سازی کی کوشش کی اور مخالفین کے دلائل کا بھی جواب دیا۔ ہندوستان میں آج تک ''پرسنل لا'' کا وجود اور کورٹ میں اس کے مطابق فیصلے سرانجام پانا درحقیقت ہیسٹنگز کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

ایم پی جین نے لکھا۔ ''کسی اور اصول پر ہیسٹنگز اتنی سختی سے کاربند نہیں رہا، جتنا کہ اس اصول پر کہ ہندوؤں اور مسلمانوں پر ان ہی کے قوانین کا اطلاق کیا جائے۔ اس کا یہ یقین تھا کہ چاہے جہالت اور توہم پرستی کی وجہ سے ان قوموں نے انتہائی غیر منصفانہ رسوم ورواج کو اپنا لیا ہو، لیکن ان کے مقابلے میں کسی دوسرے اصولوں کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، کیونکہ وہ ان کے مذہب سے وابستہ تھے، اور جن کا وہ قومیں بے حد احترام کرتی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ کوئی قوم اپنی آزادی کی حدود کا خود تعین کرے، اور کوئی بیرونی طاقت، چاہے وہ کتنی ہی روشن خیال کیوں نہ ہو، اگر کسی قوم پر خود اپنے معیار کے لحاظ سے قوانین نافذ کرے تو یہ ناانصافی ہوگی''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۲۱)

ہندوستانی قوانین اور ہندو قوانین کے بارے میں ہیسٹنگز کے خیالات کو اجاگر کرتے ہوئے ایم پی جین نے لکھا۔ ''ہیسٹنگز نے نہ صرف مفصل عدالتوں میں دیسی قوانین کے استعمال کی اجازت دی، بلکہ اس نے انگلستان کی کئی بڑی شخصیتوں کے سامنے پرزور دلیل پیش کی کہ ہندوستانیوں کو اپنے قوانین کا استعمال جاری رکھنے دیا جائے۔ ہندوستان میں جو دیسی قوانین رائج تھے، ان کی فطرت ومزاج کے بارے میں انگلستان کے لوگ غلط تصورات رکھتے تھے۔ ہیسٹنگز کے خیالات کا بہترین اظہار اس کے ایک خط میں ملتا ہے، جو اس نے لارڈ مینس فیلڈ کو تحریر کیا تھا۔ اس خط کی محرک وہ دلیلیں تھیں، جو اس وقت پیش کی گئی تھیں، جب ریگولیٹنگ ایکٹ وضع کیا جا رہا تھا اور جن میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان میں انگریزی قانون نافذ کر دیا جائے۔ ہیسٹنگز نے اس خیال کی سختی سے مخالفت کی کہ ہندوؤں کے اپنے کوئی تحریری قوانین ہی نہیں تھے۔ اس نے پرزور الفاظ میں کہا کہ ہندوؤں کے اپنے قوانین موجود تھے، اور یہ قوانین قدیم ترین زمانے سے رائج تھے، اور یہ کہ ان قوانین کے عالموں کا بڑا احترام کیا جاتا تھا اور یہ قوانین تمام ہندوستان میں رائج تھے۔ ہیسٹنگز کی نظر میں یہ بات اہم نہیں تھی کہ ہندوؤں کے قوانین نے ایسے رواجوں کی اجازت دے رکھی تھی، جو مغربی تہذیب کے پروردہ لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتے تھے، یا اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ شاستروں کا قانون توہم، مذہب اور قانون کا ایک مرکب تھا۔ اس نے پرزور الفاظ میں کہا کہ اگر لوگوں کو ان کے اس حق سے محروم کر دیا گیا کہ وہ اپنے ہی قوانین کے سائے میں رہیں تو یہ ایک دکھ کی بات ہوگی''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۲۲)

اسلامی قانون کے بارے میں ہیسٹنگز کا نظریہ انتہائی صاف ستھرا تھا۔ایم پی جین نے لکھا۔''اسلامی قانون کے بارے میں اس نے دعویٰ کیا کہ وہ: ''اتنا ہی جامع اور واضح قانون تھا، جتنا کہ زیادہ تر یوروپی مملکتوں کا تھا''۔

اس نے اس الزام کی سختی سے تردید کی کہ ہندوستانیوں پر انصاف کے اصولوں کے مطابق حکومت نہیں کی جاتی تھی، بلکہ من مانی مرضی اور حکمرانوں کے جاہلانہ فیصلوں کے ذریعے ان پر حکومت کی جاتی تھی''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۸۲۳)

ہیسٹنگز برطانوی ہند کا پہلا گورنر جنرل تھا۔اس کے وضع کردہ اس قانون کو اس کے بعد کے گورنروں نے بھی برقرار رکھا،جین نے لکھا۔

''اس کے جانشینوں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے لیے ان کے اپنے ذاتی قوانین کو مخصوص کرنے کی پالیسی میں کوئی تبدیلی کی جائے۔اگرچہ ہیسٹنگز کے جانشینوں میں کچھ ایسے لوگ بھی آئے، جو ہیسٹنگز کے مقابلے میں زیادہ صلاحیتوں، وسائل اور قوت عمل کے مالک تھے''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۸۲۳)

مینس فیلڈ کے نام وارن ہیسٹنگز کا مکتوب

گورنر وارن ہیسٹنگز نے ۲۱/ مارچ ۱۷۷۴ء کو مسٹر مینس فیلڈ {Mansfield} کو لکھے گئے خط میں ''ہندو قانون'' کی تدوین و ترتیب سے متعلق خبر دیا کہ مختلف علاقوں سے دس ماہر پنڈت کلکتہ بلائے گئے، جنہوں نے سنسکرت زبان میں ہندو قانون کو لکھا، پھر ان میں سے ایک کی نگرانی میں اس مجموعہ کا فارسی ترجمہ کیا گیا، اس کے بعد اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہونا ہے۔اس کے دو ابواب کے نمونے بھی مینس فیلڈ کو بھیجے گئے۔ملک ہندوستان کے بارے میں برطانویوں کا خیال تھا کہ ہندوستان میں وحشی قوانین جاری تھے، بلکہ حکام ہند اپنی مرضی کے احکام جاری کرتے تھے، ہیسٹنگز نے اس خیال کی بھی تردید کی۔ہیسٹنگز کے مذکورہ بالا مکتوب کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"To form a compilation of the Hindoo laws with the best authority which could be obtained; and for that purpose ten of the most learned pundits were invited to Calcutta from different parts of the province, who cheerfully undertook this work, have incessantly laboured in the prosecution of it, and have already, as they assure me, completed it, all but the revisal and correction of it.

This code they have written in their own language, the Shanscrit. A translation of it is begun under the inspection of one of their body into the Persian language, and from that into English. The two first chapters I have now the honour to present to your lordship with this, as a proof that the inhabitants of this land are not in the savage state in which they have been unfairly represented, and as a specimen of the principles which constitute the rights of property among them."

{Speeches & Documents on Indian Policy 1750-1921 by Professor A.Berriedale keith vol. 1 page 63,64 Printed at: The Oxford University Press, England}

مسلم قوانین سے متعلق وارن ہیسٹنگز نے لکھا کہ مغل بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۲۸ھ، ۱۶۱۹ء – ۱۱۱۷ھ، ۱۷۰۷ء) کے حکم سے اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ لکھا گیا تھا جو چار ضخیم جلدوں میں ہے، جو ہماری قریباً بارہ (۱۲) جلدوں کے برابر ہے، اور یہ ہندوستانی مسلمانوں کے مابین مقبول ہے، اور لکھا کہ مسلم قوانین اتنے صاف ستھرے ہیں کہ جتنے اکثر یوروپین ممالک کے قوانین ہیں۔ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مذکورہ بالا مکتوب میں وارن ہیسٹنگز نے لکھا۔

"With respect to the Mohammeden law, which is the guide at least of one fourth of the natives of this province, your lordship need not be told that this is as comprehensive, and as well defined, as that of most states in Europe, having been formed at a time in which the Arabians were in possession of all the real learning which existed in the western parts of this continent. The book which bears the greatest authority among them in India is a digest formed by the command of the Emperor Aurangzebe, and consists of four large folio volumes which are equal to near twelve of ours."{Speeches & Documents on Indian Policy 1750-1921 by Professor A.Berriedale keith vol. 1 page 64,65}

ملک ہند کے سابقہ قانونی نظام سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے اور اہل ہند کے شخصی قوانین میں عدم مداخلت کی وکالت کرتے ہوئے، اور مداخلت کے سبب پیدا ہونے والے مسائل سے آگاہ کرتے ہوئے وارن ہیسٹنگز نے اسی خط میں لکھا۔

" I have only to add that the design of this letter is to give your lordship a fair representation of a fact of which the world has been misinformed, to the great injury of this country, and to prevent the ill effects which such an error may produce in a public attempt to deprive it of the most sacred and valuable of its rights. Even the most injudicious or most fanciful customs which ignorance or superstition may have introduced among them, are perhaps preferable to any which could be substittuted in their room. They are interwoven with their religion, and are therefore revered as of the highest authority. They are the conditions on which they hold their place in society, they think them equitable, and therefore it is no hardship to exact their obedience to them.

I am persuaded they would consider the attempt to free them from the effects of such a power as a severe hardship. But I find myself exceeding the bounds which my deference for your lordship's great wisdom had prescribed, and

therefore quit the subject."{Speeches & Documents on Indian Policy 1750-1921 by Professor A.Berriedale keith vol. 1 page 65}

مسٹر مینس فیلڈ {William Murray 1st Earl of Mansfield} (۱۷۰۵ء-۱۷۹۳ء) ایک بیرسٹر، سیاست داں اور ایک جج تھا۔ یہ حکومت انگلینڈ کے مختلف کلیدی عہدوں پر فائز رہا۔ سال ۱۷۴۲ء سے اس نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور اسی سال ممبر آف پارلیامنٹ بنا۔ یہ ۱۷۴۲ء تا ۱۷۵۴ء انگلینڈ کا سالیسیٹر جنرل {Solicitor General}، ۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۶ء انگلینڈ کا اٹارنی جنرل {Attorney General}، ۱۷۵۶ء تا ۱۷۸۸ء کنگ بنچ کے چیف جسٹس {Chief justice of the king's Bench} کے عہدوں پر فائز رہا۔ چیف جسٹس ہونے کی مدت میں سال ۱۷۸۳ء میں برطانوی پارلیامنٹ کا اسپیکر {Speaker} بھی رہا۔

وارن ہیسٹنگز کا انقلابی اقدام

ایم پی جین نے لکھا۔ ''ہندوستان کے لیے یہ خوش قسمتی کی بات تھی کہ اس عبوری دور میں جبکہ برطانوی حکام سختی کے ساتھ اس بات پر آمادہ تھے کہ دیسی قوانین کی جگہ سارے کا سارا انگریزی قانون نافذ کردیں، حکومت کی قیادت وارن ہیسٹنگز جیسے شخص کے ہاتھ میں تھی، جس نے دور اندیشی سے کام لیا اور دیسی قوانین کو حاکمان وقت کی یلغار سے بچالیا۔ اس نے جذبات کی شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ ہندؤں اور مسلمانوں کے قوانین کی حفاظت کی جانی چاہئے۔ ہندوستانی قوانین کے حق میں یہ اسی لائق، پرجوش اور پرزور دلائل کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانی ان برے نتائج سے بچ گئے، جو اس وقت موجود انگریزی قوانین کے ہندوستان میں بلا امتیاز اور ایک وسیع پیانے پر نفاذ سے پیدا ہوتے۔ اگر اس وقت ایسا قدم اٹھایا جاتا تو یہ ہندوستانیوں کے لیے ایک بڑا سانحہ ہوتا''۔ (ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۲۳)

قانون کی کامیابی کا دارومدار

ایم پی جین نے لکھا۔ ''کسی بھی نظام قانون کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ نظام کس حد تک ان لوگوں کے طور طریقوں اور رواجوں کے مطابق ہے، جن لوگوں کے درمیان اس نظام کو چلنا ہے۔ ہیسٹنگز اس بات کو خوب سمجھتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ہندؤں اور مسلمانوں کے لیے ان کے اپنے قوانین جاری رہنے دیئے اور مفصل میں انگریزی قانون کو نافذ کرنے سے گریز کیا''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۸۲۳)

آج تک پرسنل لا کے مطابق کورٹ کے فیصلے

پروفیسر ایم پی جین نے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کی قانونی اصلاح سے متعلق تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا۔ ''ان تمام دفعات میں سے جو اپنے زمانے میں وارن ہسٹینگز نے بنگال کے انتظام عدل کے لیے وضع کی تھیں، سب سے زیادہ پرمعنٰی اور دیرپا وہ دفعہ تھی، جس نے بعض معاملات میں ہندو قانون کے ہندؤں پر اور اسلامی قانون کے مسلمانوں پر اطلاق کی ہدایت کی تھی۔ تقریباً دوسو سال گزرنے کے بعد آج بھی بہت بڑی حد تک اس اسکیم پر عمل ہورہا ہے۔ آج بھی ہندؤں کے ذاتی قوانین کے ذریعے ان کے ایسے معاملات کا تصفیہ ہوتا ہے، جیسے تبنیت، مشترک خاندان، قرض داری، بٹوارہ، وراثت، جانشینی، استری دھن، عورتوں کی جائیداد، نان ونفقہ اور مذہبی اوقاف وغیرہ۔ اسی طرح مسلمانوں پر ازدواج، مہر، طلاق، وراثت اور اوقاف وغیرہ معاملات میں اسلامی قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔

وارن ہیسٹنگز اس تمام عرصے میں جب وہ گورنر جنرل کے عہدے پر فائز تھا، ہندوؤں اور مسلمانوں پر شخصی قوانین کے اطلاق کی پالیسی پر مضبوطی سے قائم رہا۔اسے یقین تھا کہ ہندوستانی لوگوں پرایک غیرملکی اوراجنبی نظام قانون مسلط کرنا ایک نہایت بری بات ہوگی۔ ہندوستان کے عدالتی نظام میں شخصی قوانین کو برقرار رکھنے کی اپنی پالیسی کومنوانے کے لیے اس نے انتھک کوشش کی۔اسے اپنی اس کوشش میں یقیناً کامیابی ملی،کیونکہ اس کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد کبھی کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے نظام قانون کوختم کر کے ان کی جگہ کسی دوسرے نظام کو قائم کر دیا جائے''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۲۳)

ہندوقوانین کی کتابیں سنسکرت میں تھیں اور مسلم قوانین عربی کتابوں میں مندرج تھے۔انگریز جج ان زبانوں سے ناآشنا تھے۔انہیں ایسے مددگاروں کی ضرورت تھی، جوانہیں ہندواور مسلم قوانین بتاسکیں۔وارن ہسٹینگز نے ججوں کی مدد کے لیے قاضیوں اور پنڈتوں کومقرر کیا، اسی طرح دونوں مذاہب کی کتابیں بھی انگریزی زبان میں ترجمہ کرائی گئیں۔

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا۔''وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے شخصی قوانین کے بارے میں جو پالیسی تجویز کی تھی،اس پر بغیر کسی مدد وتعاون کے صرف انگریز ججوں کے ذریعے عمل درآمد کرانا ناممکن ہوتا۔انگریز جج قوانین کے ان نظاموں سے غیر مانوس تھے۔انہیں ہندوستان کے دیسی باشندوں کے عادات،طور طریقوں اوران کی زبان سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔پھر یہ کہ انہیں ان قوانین کی کتابوں سے بھی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی،جس کی کئی وجوہات تھیں۔پہلی یہ کہ ان قوانین کا زیادہ تر حصہ دو مشکل زبانوں یعنی سنسکرت اور عربی کی کتابوں میں محفوظ تھا۔ان زبانوں سے چند ہی انگریز واقف تھے،کیونکہ ان میں سے کوئی بھی زبان ایسی نہیں تھی،جس سے کوئی دنیاوی نفع حاصل ہوتا۔نتیجہ یہ تھا کہ ان قوانین کے اصولوں کا جن کتابوں سے تعلق تھا،انہیں جج پڑھ اور سمجھ نہیں سکتے تھے۔

دوسری مشکل یہ تھی کہ ان زبانوں میں موجود بنیادی کتابیں خالصتاً قانون کی کتابیں نہیں تھیں، بلکہ وہ مذہبی اصولوں اور نصیحتوں سے بھی بحث کرتی تھیں۔قانون،اصول،اخلاق اور پند وموعظت سب ایک دوسرے میں خلط ملط تھے۔اس طرح یہ طے کرنا مشکل تھا کہ کس امر کو واجب ولازم قرار دیا گیا تھا،کس امر کی ہدایت کی گئی تھی،اورکس امر کے لیے محض مشورہ دیا گیا تھا۔تیسری مشکل یہ تھی کہ چونکہ ان قوانین کا ارتقا مختلف مقامات اور ایک طویل مدت میں ہوا تھا،اس لیے ان قوانین کے ماخذوں کی تعداد بے انتہا تھی۔نتیجہ یہ تھا کہ یہ قوانین بے ربط اور بے ترتیب اصولوں کی ایک دھندلی تصویر پیش کرتے تھے۔

ہیسٹنگز نے انگریز ججوں کی ان مشکلات کو پوری طرح محسوس کیا،چنانچہ عدالتی نظام کو قابل عمل بنانے کے لیے اس نے عدالتوں میں دیسی ماہرین قانون یعنی پنڈتوں اور قاضیوں کو مقرر کیا،تاکہ وہ انگریز ججوں کی مدد کرسکیں۔ان افسران کا کام دیسی قوانین کے ایسے اصولوں کی تشریح وتوضیح کرنا تھا،جوان واقعات مقدمہ پر قابل اطلاق ہوں،جو ججوں کے سامنے بیان کیے گیے ہوں۔یہ طریقہ خاصے لمبے عرصے تک عمل میں رہا۔یہ طریقہ صرف بنگال تک محدود نہیں تھا، بلکہ وقت گذرنے پر ان تمام علاقوں میں متعارف کرایا گیا، جہاں کمپنی کا عدالتی نظام قائم کیا گیا تھا''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۲۴)

ہندو فرقوں کے پرسنل لا

ہندو دھرم کے فرقے یعنی جو مذاہب ہندو دھرم سے نکل کر نئی شکل اختیار کر چکے تھے، جیسے بدھ دھرم، جین دھرم اور سکھ دھرم۔ان تمام کو

ہندو دھرم کا فرقہ قرار دے کر ان مذاہب کے مخصوص قوانین پر عمل کی اجازت دی گئی۔اسی طرح مسلمانوں کے فرقے یعنی سنی اور شیعہ ہر ایک کو ان کے خاص قوانین پر عمل کی اجازت ملی۔

پروفیسر ایم پی جین نے لکھا: ''۱۷۸۱ء کے ایکٹ آف سیٹلمنٹ کی دفعہ ۱۷/ نے چند امور میں ہندو قانون کو ہندوؤں پر اور اسلامی قانون کو مسلمانوں پر قابل اطلاق قرار دیا تھا۔بقیہ دوسرے لوگوں کے لیے انگریزی قانون قابل اطلاق تھا۔اب اگر سکھوں کو غیر ہندو قرار دیا جاتا تو گویا ان کے اپنے شخصی قوانین کی کوئی حفاظت نہ ہوتی،اور تب ان پر انگریزی قانون کا اطلاق ہوتا۔اسی طرح اگر جینیوں کو لفظ ہندو کی تعریف سے بالکل خارج کر دیا جاتا تو جہاں تک سپریم کورٹ کا تعلق تھا،ان کے لیے کوئی الگ محفوظ قانون نہ ہوتا اور ان پر بھی انگریزی قانون کا اطلاق ہوتا۔ایسے اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے مسائل وقتاً فوقتاً اٹھتے رہے،جن کا حل عدالتیں بہم پہونچاتی رہیں اور عدالتی فیصلوں کے ایک طویل سلسلے نے ان فرقوں اور ثانوی فرقوں پر قابل اطلاق قانون کی پوزیشن واضح کر دی''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۱۰۴۵)

ایم پی جین نے لکھا: ''جہاں تک سکھوں،جینیوں اور بدھوں کا تعلق تھا،عدالتوں نے لفظ''ہندو'' کے بارے میں ایک نرم اور آزادانہ رویہ اپنایا اور یہ قرار دیا کہ''راسخ الاعتقادی'' کو اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لیے پیمانہ نہیں بنایا جاسکتا کہ کسی شخص پر ہندو قانون قابل اطلاق تھا یا نہیں۔کٹر ہندو عقائد سے انحراف کو ہندو قانون کے اطلاق میں مانع نہ سمجھا جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ سکھوں،جینیوں اور بدھوں وغیرہ کو ہندو قانون کا تابع قرار دیا گیا''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۱۰۴۶)

گرچہ وارن ہسٹنگز کے جوڈیشیل پلان:۱۷۷۲ء میں اور کارنوالس کوڈ:۱۷۹۳ء میں صرف مسلمان اور ہندو کا لفظ استعمال ہوا ہے،لیکن مسلمان سے مسلمانوں کے تمام فرقے اور ہندو سے ہندوؤں کے تمام فرقے مراد لیے گئے۔ہندوؤں کے فرقے سے وہ جماعتیں بھی مراد ہیں جو ہندو مذہب سے نکل کر ایک مستقل مذہبی جماعت بن چکی ہیں،جیسے بدھ،جین،سکھ وغیرہ۔ان مذہبی جماعتوں کو بھی اپنے پرسنل لا پر عمل کی اجازت اسی قانون سے حاصل ہوجاتی ہے۔

ایم پی جین نے لکھا: ''ہندو اور مسلمان لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ قانون کا فائدہ اٹھائے تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے وہ اپنے آپ کو کٹر ہندو ثابت کرے۔اس مقصد کے لیے سکھ،جین،آریہ سماجی سبھی لفظ ہندو کی تعریف میں آتے ہیں۔مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کو اپنے ذاتی قوانین کا فائدہ اٹھانے کی اجازت حاصل ہے''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص۹۸۳)

مسلم فرقوں کے پرسنل لا

برطانوی عہد میں ملک ہند میں مسلمانوں کے دو فرقے تھے(۱)سنی (۲) شیعہ: دونوں کے کچھ قوانین ایک دوسرے سے متغایر تھے،اس لیے دونوں کو اپنے پرسنل لا پر عمل کی اجازت دی گئی۔

پروفیسر جین نے لکھا: ''اسلامی قانون کے میدان میں راجہ دیدار حسین بنام رانی ظہور النسا کے اہم مقدمہ میں جو کہ صدر عدالت کلکتہ سے پریوی کونسل کے سامنے اپیل کی شکل میں گیا تھا،پریوی کونسل نے قرار دیا کہ شیعہ اس بات کے حقدار تھے کہ ان پر ان کے اپنے قوانین کا اطلاق ہو۔پریوی کونسل نے کہا کہ:

''اس ضابطے کی صحیح تعبیر یہ ہوگی کہ ایسے فیصلوں اور رواجوں کی عدم موجودگی میں جو اس ضابطے کے معنٰی کو محدود کرتے ہوں،ہر فرقے کے

اسلامی قانون وراثت کا اطلاق اس فرقے سے تعلق رکھنے والے فریقین مقدمہ پر ہونا چاہئے۔ضابطے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان تمام مقدمات میں جن کا تعلق مسلمانوں سے ہو،ایک یکساں قانون کا اطلاق کیا جائے، بلکہ کہنے کا منشا یہ ہے کہ قانون اسلامی کا اطلاق کیا جائے ، چاہے اس کی شکل کچھ بھی ہو۔اگر اسلامی قانون کے تحت ہر فرقے کا اپنا اپنا اصول موجود ہے تو اس فرقے سے تعلق رکھنے والے فریقین مقدمہ پر اسی اصول کا اطلاق کیا جانا چاہئے۔اس ضابطے کی یہی فطری تعبیر ہے،اور یہ تعبیر اس معقول ومنصفانہ اصول سے مطابقت رکھتی ہے جس کی بنیاد پر یہ ضابطہ وضع کیا گیا تھا۔ یہ تعبیر ہر مذہب کے رواجوں کو مؤثر بناتی ہے،اور بلاشبہہ اس ضابطے کا یہی مقصد تھا کہ وہ ہر مذہب کا تحفظ کرے''۔

اس طرح ۱۷۹۳ء کے ضابطے کی اس طرح تشریح کی گئی کہ ہر فرقے پر اس کے اپنے قانون کا اطلاق ہو۔ پریوی کونسل نے اس بات پر توجہ دی کہ ہندوستان میں زیادہ تر سنی قانون چلتا تھا، کیونکہ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت سنیوں کی تھی ،اور شیعوں کے چند ہی خاندان تھے،لیکن پریوی کونسل نے کہا کہ:

''ایسا کوئی دستور موجود نہیں ہے کہ جو شیعہ عقائد میں یقین رکھنے والے لوگوں کے حقوق پر شیعہ قانون کے اطلاق کو خارج کرتا ہو،اس لیے ضابطوں کی اسی تعبیر وتشریح پر عمل کرنا چاہئے ، جو فطری اور منصفانہ ہو''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۴۵، ۱۰۴۶)

ایم پی جین نے لکھا۔''پریوی کونسل نے راجہ دیدار حسین کے مقدمے میں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے،قرار دیا کہ متعلقہ فریقین پر جن کا تعلق شیعہ مذہب سے تھا،شیعہ قانون کا اطلاق ہوگا۔اسی طرح دوسرے مقدمات میں قرار دیا گیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مخصوص مسلکوں کے ماننے والوں پر انہیں کے مسلکوں کا اطلاق ہوگا''۔(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۴۷)

برطانوی عہد میں رواجوں کی اہمیت

برطانوی عہد میں رواجوں کی بہت اہمیت تھی۔رواجوں کے مطابق کورٹ کے فیصلے ہوتے تھے،بشرطیکہ وہ رواج قدیم اور معقول ہونا چاہئے تھا۔ایم پی جین نے لکھا۔''عدالتوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ عدل گستری کرنے میں رواجی اصولوں کو انتہائی وسعت دی۔ ہر قسم کے رواج مثلاً قبائلی،قوم واری،فرقہ واری،مقامی اور خاندانی وغیرہ کا اطلاق کیا گیا۔کسی رواج کو نافذ کیے جانے کی شرط یہ قرار دی گئی کہ اسے قدیم ،تحقیق شدہ اور معقول ہونا چاہئے۔ایک عام اصول یہ تسلیم کرلیا گیا کہ ایک رواج جو ۱۷۷۳ء ۱۷۹۳ء میں موجود رہا ہو،وہ قدیم اور قابل نفاذ سمجھا جائے گا۔ان تاریخوں کا انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ ۱۷۷۳ء میں کلکتہ میں سپریم کورٹ قائم کی گئی تھی ،اور ۱۷۹۳ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کے مفصلات میں کارنوالس کا منصوبہ نافذ کیا گیا تھا،اور یہ بھی تھا کہ اس وقت سرکاری ضوابط کا سپریم کورٹ میں اندراج کرانے کے طریقے کی ابتدا کی گئی تھی۔ بہرحال برطانوی دور انتظام میں رسم ورواج کو انتظام عدل میں ایک احترام کا مقام دیا گیا۔ یہ قانون کا ایک اہم ماخذ بن گئے اور مختلف رواجوں کے بارے میں ایک بڑی تعداد میں عدالتی فیصلے وجود میں آ گئے''۔

(ہندوستان کی قانونی تاریخ جلد دوم ص ۱۰۵۰، ۱۰۵۱)

ان شاء اللہ تعالیٰ قومی مسائل،قسط پنجم وقسط ششم میں بھی پرسنل لا سے متعلق تاریخی حقائق سپرد قرطاس ہوں گے۔ پرسنل لا سے متعلق ہمارے تفصیلی مضامین ''پیغام شریعت'' (دسمبر ۲۰۱۶ء وجنوری ۲۰۱۷ء) میں بھی شائع ہو چکے ہیں: وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

خضر راہ

اس کالم میں قارئین ودانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)

ذبیح حضرت اسمٰعیل یا حضرت اسحٰق علیہما السلام؟

مفتی کہف الوریٰ مصباحی ناگپور

قرآن شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا تذکرہ یوں ہے:

''اور کہا میں رب کی طرف جانے والا ہوں، اب وہ مجھے راہ دینے والا ہے، الٰہی مجھے لائق اولاد دیدے۔تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔پھر جب وہ اس کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔کہا اے میرے باپ کیجئے آپکو جس بات کا حکم ہوتا ہے۔خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اس وقت کا حال نہ پوچھ۔اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔بیشک یہ روشن جانچ تھی۔اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اسے بچا لیا اور ہم نے پچھلوں میں اسکی تعریف باقی رکھی۔یقیناً وہ میرے اعلی درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں۔اور ہم نے انہیں خوش خبری دی اسحٰق کی کہ غیب کی خبریں بتانے والا نبی ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں۔(ترجمہ کنزالایمان:الصفٰت ۳۷:۹۹:۱۱۲)

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد جس فرزند کی ولادت ہوئی انہیں کو ذبیح اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا، لیکن ان آیتوں میں ان کا نام مذکور نہیں۔البتہ اس واقعہ کے آخری حصہ میں حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی ہے۔اس لیے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کے دونوں فرزندوں میں کون ذبیح اللہ ہے؟ حضرت اسماعیل یا اسحٰق؟ یہود ونصاری کے ساتھ ساتھ کچھ اہل اسلام کی بھی یہی رائے ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق ہیں جبکہ جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہیں۔اسکی صحت پر امام رازی کی کچھ دلیلیں درج ذیل ہیں:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَــا اِبْــنُ الــذَّبِیْــحَیْــنِ یعنی میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔اور ایک اعرابی نے آپکو یَــا اِبْــنَ الــذَّبِیْــحَیْــن یعنی اے دو ذبیحوں کے فرزند کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرمایا۔جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ ایک ذبیح ہمارے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں، جب میرے دادا حضرت عبدالمطلب نے کنواں کھودنا چاہا تو نذر مانی کہ اگر یہ کام آسانی سے ہو گیا تو میں اپنے ایک لڑکے کو ذبح کروں گا۔اس نذر کو پوری کرنے میں قرعہ اندازی ہوئی تو حضرت عبداللہ کا نام آیا، اور جب حضرت عبدالمطلب نے نذر پوری کرنی چاہی تو حضرت عبداللہ کے ماموں نے روک دی۔اور بطور فدیہ حضرت عبداللہ کی جگہ سو اونٹ ذبح کیے۔اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں جو ہمارے آبائے کرام میں سے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں۔ (تفسیر کبیر ج:۹ ص:۳۴۷)

(۲) حضرت اصمعی نے ابوعمرو بن علا سے پوچھا کہ ذبیح اللہ کون ہے؟ حضرت اسماعیل یا حضرت اسحٰق۔تو ابوعمرو بن علا نے فرمایا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحٰق مکہ میں کب تھے؟ مکہ میں حضرت اسماعیل تھے۔انہوں نے ہی مل کر اپنے والد کے ساتھ کعبہ معظّمہ کی تعمیر کی،اور قربان گاہ بھی مکہ میں ہے۔اس سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں۔(مرجع سابق ص:۳۴۷)

سورہ انبیا آیت نمبر ۸۵، میں ہے **'وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَاالْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ'** اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت اسماعیل کی صفت صابر بیان کی ہے۔اور حضرت اسحٰق کو کہیں صابر کی صفت سے نہیں نوازا۔اور یہ وہی صبر ہے جو حضرت اسماعیل نے ذبح ہونے پر کیا تھا۔یونہی سورہ مریم آیت نمبر ۵۴ میں حضرت اسماعیل کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔**اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ.** یعنی وہ وعدے کے سچے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے ذبح ہونے پر جو صبر کرنے کا وعدہ کیا اسے پورا کیا۔اس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل ہیں۔علیہما السلام (نفس مصدر:۳۴۷)

سورہ ہود میں ارشاد خداوندی ہے **'فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ.'** (آیت ۷۱)

یعنی ہم نے اسے(حضرت سارہ کو)اسحٰق کی خوش خبری دی۔اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی۔اب اگر ذبیح حضرت اسحٰق کو مانیں تو سوال یہ ہے کہ حضرت اسحٰق کو ذبح کیے جانے کا حکم کب ہوا؟

(الف) حضرت یعقوب کی پیدائش سے پہلے؟

(ب) یا حضرت یعقوب کی پیدائش کے بعد؟ چونکہ مذکورہ آیت کریمہ میں حضرت اسحٰق کے بعد حضرت یعقوب کے ولادت کی خوشخبری دی گئی ہے۔اس لیے مذکورہ سوالوں کا پیدا ہونا ظاہر ہے،اب غور کرنے پر جو نتیجہ ظاہر ہوا اسے ملاحظہ کریں: پہلی صورت حضرت یعقوب کی ولادت سے پہلے حضرت اسحٰق کے ذبح کا حکم دینا صحیح نہیں،اس لیے کہ جب حضرت یعقوب کی ولادت کی خبر پہلے دی جا چکی ہے تو بیٹے کی پیدائش سے پہلے باپ یعنی حضرت اسحٰق کے ذبح کا حکم دینا وعدۂ الٰہی **'وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ'** کے خلاف ہوگا جو سراسر باطل ہے۔

دوسری صورت یعنی بعد ولادتِ حضرتِ یعقوب ذبح کا حکم ہوا یہ صورت بھی باطل ہے۔اس لیے کہ سورہ الصفت آیت نمبر ۱۰۲ میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ یعنی پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو جب اپنا فرزند ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت اس فرزند کی کم عمری کا زمانہ تھا،لہٰذا یہ واقعہ کسی دوسرے زمانے میں نہیں ہو سکتا۔ اور جب وہ کمسن ہی تھے تو ان سے حضرت یعقوب کی ولادت کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ ذبیح حضرت اسحٰق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل ہیں۔(تفسیر کبیر ج:۹ص ۳۴۷)

(۵) اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے اس میں اس طرح ہے **'اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ'** (الصّٰفّٰت:۳۷:۹۹))

یعنی میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا۔پھر اس کے بعد تنہائی اور مسافرت میں اُنس حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: **رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ.** (الصافات:۳۷:۱۰۰)

دعا کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ بوقت دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔کیونکہ'من الصالحین' میں جو لفظ'من' ہے اس سے ایک ہی لڑکے کی طلب مفہوم ہوتی ہے۔لہٰذا اس طرح سے ان کا دعا مانگنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ بوقت دعا ان کی کوئی اولاد نہ ہو،ورنہ وہ

یوں دعا مانگتے کہ اللہ ہمیں دوسری اولاد عطا فرما۔ الحاصل یہ دعا پہلے ہی بیٹے کے لیے ہے۔ اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل کی ولادت حضرت اسحٰق سے پہلے کی ہے۔ اور اللہ تعالی نے اسی کے بعد ذبح کا واقعہ بیان فرمایا۔ لہٰذا ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں۔

(۶) بہت سی خبروں سے یہ بات ثابت ہے کہ جو مینڈھا بطور فدیہ حضرت اسماعیل کی جگہ پر ذبح کیا گیا تھا اس کے سینگھ خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ میں ہی پیش آیا تھا۔ اور مکہ میں حضرت اسماعیل ہی تھے حضرت اسحاق نہیں تھے۔ لہٰذا ذبیح اللہ حضرت اسمعیل ہوئے۔ (تفسیر کبیر ج:۹ ص:۳۴۷)

ان دلائل و براہین سے روشن ہو گیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔

قربانی سے متعلق ایک اہم بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بہت سارے علاقوں میں کھال اتارنے اور بوٹی بنانے کے لیے مزدوری پر غیر مسلم بھی آتے ہیں۔ ذبح کرنے والے مسجد کے امام یا مدارس کے طلبا اور اساتذہ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تبرکاً گردن پہ چھری رکھ کر چلا دیتے ہیں اور تھوڑی سی کھال یا تھوڑی رگ کے کٹتے ہی فورا چھری اس غیر مسلم کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے۔ اور پھر وہ غیر مسلم پوری رگیں کاٹتا ہے۔ اس طرح وہ جانور ایک غیر مسلم کے ہاتھ ذبح ہوا۔ اب اس ذبیحے کا قربانی ہونا تو بہت دور ہے یہ حلال ہی نہ ہوا۔

ھدایہ میں ہے: **لا تُؤكَلُ ذَبِيحَةَ الْمَجُوسِيِّ وَالمُرْتَدِّ وَالوَثني۔** (ملخصا ج:۴ ص:۴۱۸)

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کام کے لیے کسی مسلمان کا انتظام کریں۔ اور چھری لیتے وقت وہ شخص بھی بسم اللہ پڑھے اور اگر کسی مسلم شخص کا انتظام نہ ہو سکے تو قربانی کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ اکثر یا پوری رگیں کٹنے کے بعد ہی چھری اس غیر مسلم کو دیں۔ اور گھر والوں کو چاہئے کہ اپنی نظروں کے سامنے پورا کام کرا کے گوشت کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ اللہ توفیق خیر بخشے۔ آمین۔

محمد کہف الوریٰ مصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ، ناگپور

موبائل نمبر: ۰۷۶۲۰۸۶۴۶۴۹

علما کے معاشی حالات پر ایک طائرانہ نظر

قاری ذوالفقار رضا نوری (جامعہ حضرت بلال ٹیانری روڈ بنگلور)

موجودہ زمانہ کی مہنگائی پر نظر ڈالیں۔ کیا قلیل مشاہرہ میں زندگی گذاری جا سکتی ہے؟ اگر بخار لگ جائے تو کم از کم ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ بیٹی کی شادی میں لاکھوں کا خرچ ہوتا ہے، گھر بنانا ہو تو لاکھوں کا خرچ، اسکول کی تعلیم اس قدر مہنگی، کپڑوں کی قیمتیں بھی بہت زیادہ۔ اب علمائے کرام اپنے گھر کا مطبخ کیسے چلائیں؟ بیماریوں کا علاج کس طرح کرائیں؟ بیٹیوں کی شادی کا انتظام کیسے کریں؟ اپنا گھر کیسے بنائیں؟ بچوں کو تعلیم کیسے دلائیں؟ گھر والوں کے لیے کپڑوں کا انتظام کس طرح کریں؟

آٹھ، دس ہزار کی تنخواہ میں زندگی کی ضرورتوں کی تکمیل کیسے ہو سکتی ہے؟ اب جبکہ علمائے کرام ذہنی طور پر پریشان حال ہوں گے تو لامحالہ فروغ دین و مسلک کا کام بھی متاثر ہوگا، مدارس کی تعلیم بھی متاثر ہوگی۔ معاشی بدحالی کے سبب خود ان کو کچھ راستوں کی تلاش کرنی ہوگی، اور جب ان کی توجہ دیگر امور کی طرف ہو جائے گی تو یقیناً دین و شریعت کا کام متاثر ہو جائے گا۔ ایسا انتظام ہو کہ علمائے کرام فارغ البال ہو کر محض دینی کاموں میں لگے رہیں، ورنہ معاملات روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں۔

لوگ کروڑوں روپے خرچ کر کے مساجد کی تعمیر کرتے ہیں۔اس کے لیے ایک بھاری بھرکم امام تلاش کرتے ہیں۔انہیں جتنے القاب یاد ہوتے ہیں،وہ سب بیان کردیتے ہیں،یعنی امام،حافظ،قاری،عالم،فاضل،مفتی وغیرہ ہو،اور جب مشاہرہ کی بات آتی ہے تو ان کے لیے دس،بارہ ہزار سے آگے بڑھنا مشکل ہوجاتا ہے،حالانکہ خود عوام الناس کی نظر میں بھی علمائے کرام کی تنخواہیں بہت کم ہیں۔مسلمانوں نے اپنے اماموں اور رہنماؤں کے لیے اس قدر قلیل مشاہرہ متعین کیا ہے،جبکہ حکومت ہند جو خالص مسلمانوں کی حکومت نہیں،بلکہ جمہوری حکومت ہے،اور اعلیٰ عہدوں پر غیر مسلمین فائز ہیں،انہوں نے مسلم علما و مدرسین کے لیے اتر پردیش،بہار وغیرہ میں چالیس،پچاس ہزار تک بدل خدمت مقرر کیا ہے،پھر بھی مسلمانوں کو شرم نہیں آتی،چونکہ علما کی کثرت ہے،انہیں اپنی معاش کے لیے قلیل مشاہرہ قبول کرنا پڑتا ہے،ورنہ انہیں گھر بیٹھنا پڑے گا۔

ایک جگہ قدیم کمیٹی امام کو عید میں کچھ نذرانہ دیتی تھی،جدید کمیٹی نے نذرانہ میں کمی کردیا اور کہا کہ امسال تعمیری کام ہے،آئندہ سال لحاظ رکھا جائے گا۔سوال یہ ہے کہ کیا مسجد میں تعمیری کام ہونے کی وجہ سے ارکان کمیٹی نے دو وقت کی بجائے ایک ٹائم کھانا شروع کردیا تھا؟ پھر تعمیری کام کے سبب امام کا نذرانہ کیوں کم کردیا گیا؟ جب تعمیری کام ہوگا تو نام ہوگا کمیٹی اور عوام کا۔اور اس کے سبب مصیبت آتی ہے امام پر۔اگر لوگ تعمیری کام کے لیے اپنے جیب سے کچھ اضافی خرچ دیتے تو لامحالہ آخرت میں وہ ثواب کے مستحق ہوتے،اور امام کا نذرانہ بھی کم نہ ہوتا،لیکن ایسی حکمت اختیار کی گئی کہ عوام الناس نے اپنا اخروی نقصان بھی کیا اور امام کا دنیاوی نقصان۔قوم کی عقلمندی پر افسوس ہوتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کے صدر مدرس اور ناظم علمائے کرام ہی ہوتے ہیں۔مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کی تقرری میں اہم کردار صدر مدرس اور ناظم کا ہوتا ہے۔یہ لوگ اپنی تنخواہیں دو/تین گنا زیادہ رکھتے ہیں اور کم سے کم تنخواہوں میں دیگر مدرسین کی بحالی کرتے ہیں،گویا کہ صدر مدرس اور ناظم دو خدمت کی تنخواہ لیتے ہیں۔اپنی ڈیوٹی کی تنخواہ،اور دیگر مدرسین کی تنخواہیں کم کرانے کی تنخواہ۔چونکہ مدارس اسلامیہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی مراکز ہیں،جب وہاں مشاہرہ قلیل ہوتا ہے،تو دیکھا دیکھی عوام الناس بھی مساجد میں ائمہ کی تنخواہیں کم رکھتے ہیں۔پس ہندوستان میں علمائے کرام کی معاشی بدحالی کے سب سے بڑے ذمہ دار ناظمین مدارس اور صدر مدرس ہیں۔اسی قلت مشاہرہ کے سبب مدارس کی تعلیم حد درجہ متاثر ہو چکی ہے۔مشہور مقولہ ہے۔'مزدور خوشدل کار بیش کند'۔جب مزدور خوش ہوتا ہے تو زیادہ کام کرتا ہے۔

احساسِ مروت کی موت پر ہمارا مرثیہ

صادق رضا مصباحی (ممبئی) موبائل نمبر:9619034199

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات (ڈاکٹر اقبال)

اگر ہم اس شعر کا حقیقی مصداق دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک کو آئینے کے سامنے کھڑے ہو جانا چاہیے۔آئینے میں جو چہرہ اور جو پیکر منعکس ہوگا،وہ یقیناً اس شعر کے حقیقی مصداق تک پہنچا دے گا۔آئینے کی مثال دینے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہم میں سے بیشتر لوگ کم از کم دو چہروں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ہم میں سے تقریباً سبھی کا احساسِ مروت کچلا جا چکا ہے۔ہمیں دوسروں کی قدر و قیمت کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں،ہاں ہمارا یہ احساس اس وقت فزوں ہو جاتا ہے جب کسی سے ہمارا تعلق مادی ہوتا ہے اور اس مادی تعلق کا جال مکڑی کے جالے کی طرح ہمیں ایک دوسرے سے باندھے رکھتا ہے۔اگر ہمیں کسی سے کوئی فائدہ نہیں،کوئی مطلب نہیں،کوئی کام نہیں،کوئی لالچ نہیں تو پھر ہمارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ شخص کتنا لائق و فائق اور دوسروں کے لیے کتنا کارآمد ہے۔

وہ زمانہ تاریخ کے دوش پر سوار ہو کر بہت دور جا چکا،جب کسی بے اصولی،جھوٹے،مکار،فریبی اور برے شخص کی سماج میں کوئی عزت نہ تھی۔ہر کوئی اس سے کتراتا تھا اور دوسروں کو اس سے بچنے کی تلقین بھی کرتا تھا۔اس بات کی قطعاً پروا نہیں کی جاتی تھی کہ یہ فریبی شخص کس قدر

دولت مند اور صاحبِ مسند واقتدار رہے۔ گئے زمانے میں اصول وضابطے جسم میں پھیلی شریانوں کی طرح ہمارے فکری واخلاقی وجود میں پھیلے ہوتے تھے اور ہمیں خون پہنچاتے رہتے تھے، مگر اب یہ رگیں کاٹی جا چکی ہیں اور خون کی فراہمی بند ہو چکی ہے، اس لیے ہمارا پورا فکری واخلاقی وجود ہی بے جان اور مردہ ہو چکا ہے۔

اب شاید و باید ہی ہم میں کوئی ایسا ہو، جو ہم سے اصولی اور اخلاقی بنیادوں پر ترکِ تعلق کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں برا کام کرنے میں ذرہ برابر بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی، کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اب کوئی واعظ و ناصح باقی نہیں رہا اور اگر کوئی واعظ و ناصح ہے بھی تو ہمیں اس کے دامن پر بھی داغ دھبے نظر آتے ہیں، گویا آج ہم ایک ایسے حمام میں کھڑے ہیں جس میں ہم سب ننگے ہیں۔ آپ سب میرے ساتھ اس بات کی عینی شہادت دیں گے کہ آج چاپلوسوں کا زمانہ ہے، اصولی لوگوں کا نہیں۔ آپ کتنے ہی اچھے انسان ہوں، پڑھے لکھے ہوں، صاحبِ اَقدار ہوں، روایات کے امین اور معاشرے کے جوہر ہوں، مگر آپ کی تمام صلاحیتیں اس وقت تک کنارے پڑی سڑتی رہتی ہیں جب تک کہ آپ کے اندر ایک اور ہنر نہ ہو، اور وہ ہنر ہے چاپلوسی کا، جھوٹی تعریف کا، موقع پرستی کا، منافقت کا۔

سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ ہم بڑی خوب صورتی سے اپنے ان سارے عیبوں کو مصلحت کوشی کے لفافے میں پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ کے اندر یہ ہنر ہے تو پھر سمجھئے کہ یہ مذکورہ ساری صلاحیتیوں پر بھاری ہے اور آپ ایسی حقیقی خوبیوں والے افراد پر ''غالب'' ہی رہیں گے۔ کتنے ایسے لوگ میری نگاہ میں ہیں جو دوسروں کا کام محض اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں ان سے کام پڑتا رہتا ہے، یا انہیں ان سے کسی فائدے کی توقع ہوتی ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی حقیقی ضرورت مند انسان کسی ضرورت یا مدد کے لیے چلا جائے تو یہ لوگ اکثر معذرت کر لیتے ہیں اور اگر کام کر بھی دیں تو پھر احسان جتلا کر شرمندہ کرنا ان کا معمول ہے۔

جب کہ دوسری طرف اپنے مفاد اور مطلب کے لوگوں کو یہ کہہ کر فائدہ پہنچاتے ہیں کہ دراصل وہی لوگ ان کے صحیح معنوں میں بڑے مخلص اور عزیز ہیں۔ ایسا اس لیے ہو رہا ہے کہ یہ دور مادی دور ہے، مشینی دور ہے، سائنسی دور ہے۔ اس مشینی اور سائنسی دور نے ہر انسان کو اتنا جلد باز بنا دیا ہے کہ اسے صرف اور صرف دنیا نظر آ رہی ہے، اسے آخرت نظر نہیں آ رہی، وہ جلد از جلد فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور معاشرے میں اپنا ''مقام'' بنانے کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہے۔ اس کے لیے وہ ہر حربہ آزماتا ہے۔ یہی وجہ ہے اب ہم میں انسانیت نہیں رہی، ہم میں احساسِ مروت نہیں رہا۔ مشینوں کی حکومت اور مادیت کے بوجھ تلے ہمارا احساس، انسانیت، مروت، محبت، اور سب کچھ کچلا جا رہا ہے۔

سب کی موت واقع ہو رہی ہے، مگر ہمیں ان کی موت پر رتی بھر بھی افسوس نہیں ہے، کیوں کہ ہمیں اپنی اقدار، روایات اور ورثے کی اہمیت کا اندازہ نہیں اور جسے کسی چیز کی اہمیت کا اندازہ ہی نہ ہو، اسے اس چیز کی طرف متوجہ کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے، لہٰذا یہ سطور ان عناصر کی موت پر بطور مرثیہ لکھی جا رہی ہیں، اصلاح کے لیے نہیں، کیوں کہ اصلاح کی طرف سے ہم نے اپنے سارے دروازے بند کر رکھے ہیں، اب ہم موت کی دستک پر ہی یہ دروازہ کھولیں گے۔

عید الاضحیٰ اور مسلمانانِ ہند

طارق انور مصباحی

ماہ مئی ۲۰۱۴ء میں مرکز میں بی جے پی حکومت قائم ہوتے ہی ملکی پیمانے پر قوم مسلم کے ساتھ جو حالات پیش آ رہے ہیں، کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسی صورتحال میں کوئی بھی قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔ جرائم کی ناتمام فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) گھر واپسی یعنی مسلمانوں کو ہندو دھرم میں واپس لانا (۲) مسلم نوجوانوں پر لو جہاد کا الزام لگانا (۳) مسلمانوں کو غدار وطن قرار دینا (۴)

بیف کے نام پر مسلمانوں کا قتل (۵) انکاؤنٹر کے نام پر مسلم نوجوانوں کو ہلاک کرنا (۶) مسلم عورتوں کی عصمت دری (۷) طلاق ثلاثہ، تعدد ازدواج، حلالہ وغیرہ کا موضوع گرم کرکے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش (۸) مسلم نوجوانوں کا اغوا (۹) قوم مسلم کو خوف ودہشت میں مبتلا رکھنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنانا (۱۰) مسلمانوں سے بالجبر ''وندے ماترم'' اور ''بھارت ماتا کی جے'' کہلوانا (۱۱) مسلمانوں سے ''جے شری رام'' کہلوانے کی کوشش (۱۲) مسلمانوں کو پاکستان بھیجنے کی دھمکی: وغیرہ۔

ماہ ستمبر ۲۰۱۷ء کے ابتدائی عشرہ میں عید قرباں ہے۔ ہمارے خیال سے موجودہ حالات کے تناظر میں ان مقامات میں گائے کی قربانی سے گریز کیا جائے، جہاں حکومت کی جانب سے پابندی ہو، یا جہاں فرقہ وارانہ فساد کا اندیشہ ہو۔ بی جے پی حکومت کے قیام کے بعد فرقہ پرست قوتوں نے بہت سے ہندؤں کو جنونی بنادیا ہے، حالانکہ گائے کے تعلق سے خود اہل ہنود بھی دوحصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ گائے کا گوشت کھاتے ہیں اور کچھ لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ بی جے پی کے بعض لیڈر بھی گائے کا گوشت کھاتے ہیں اور بی جے پی کی حکومت والی بعض ریاستوں مثلاً گوا میں بیف پر پابندی نہیں۔ ملک کے سب سے بڑے کورٹ ''سپریم کورٹ'' کے سابق چیف جسٹس مارکنڈے کاٹجو نے دوسال قبل گائے کے ماتا ہونے کا بھی انکار کیا اور گائے کا گوشت کھانے کا بھی اعتراف کیا، تفصیل درج ذیل ہے۔

چیف جسٹس آف سپریم کورٹ (انڈیا) کا بیان

سپریم کورٹ آف انڈیا کے سابق چیف جسٹس مارکنڈے {Markandey Katju} نے نئی دہلی میں ۲۳/مئی ۲۰۱۵ء کو کہا:

"I am a Hindu, and I have eaten beef, and will again eat it. There is nothing wrong in beef eating. 90% of the world eats beef. Are they all sinners? And I refuse to believe that cow is sacred or our mother. How can an animals be a mother of a human being? That is why I say 90% Indians are idiots."{Coastal digest.com 23 May 2015}

ترجمہ: میں ایک ہندو ہوں اور میں نے گائے کا گوشت کھایا ہے اور آئندہ بھی اسے کھاؤں گا۔ گائے کا گوشت کھانا کچھ غلط نہیں ہے۔ دنیا کے نوے فیصد لوگ گائے کا گوشت کھاتے ہیں، کیا وہ تمام گنہگار ہیں؟ اور میں اس عقیدہ کا انکار کرتا ہوں کہ گائے مقدس یا ہماری ماں ہے، وہ ایک حیوان ہے تو انسان کی ماں کیسے ہوسکتی ہے؟ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ نوے فیصد انڈین بے وقوف ہیں۔

پروفیسر ڈی این جھا (Dwijendra Narayan Jha) سابق پروفیسر دہلی یونیورسٹی (دہلی) نے اپنی مشہور کتاب ''دی مائتھ آف دی ہولی کاؤ'' (The Myth of the Holy Cow) میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ پرانے زمانے میں ہندو لوگ بھی گائے کا گوشت کھاتے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد تشدد پرست ہندؤں نے خوب ہنگامہ آرائی بھی کی، لیکن سچ وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ افادۂ عامہ کے لیے پروفیسر ڈی این جھا کی مذکورہ کتاب کے ابواب (Chapters) کے عناوین ذیل میں تحریر کردئے جاتے ہیں، اس سے کتاب کا ایک اجمالی نقشہ واضح ہوجائے گا۔

1-Animals are verily food, but Yajnavalkya favours Beef

2-The rejection of animal sacrifice

An assertion of the sacredness of the cow

3-The later Dharmasastric tradition and beyond

4-The cow in the Kali Age and memories of Beef Consumption

5-A paradoxial sin and the paradox of the cow

6-Resume; The elusive "Holy Cow"

تراجم ابواب

(۱) حیوانات یقیناً غذا ہیں، لیکن سادھو یجنا والکیا کی پسند بیف ہے (۲) حیوان کی قربانی کو مسترد کرنا (گائے کے تقدس کا دعویٰ)
(۳) مابعد و ماقبل کی دھرم شاستری روایات (۴) کلی یوگ میں گائے اور بیف کے کھپت کی یادیں۔
(۵) ایک خلاف عقل گناہ اور گائے کی اصل حقیقت (۶) گائے کے تقدس کے دھوکے کا آغاز۔

کتاب کے اخیر میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر (۱۸۹۱ء-۱۹۵۶ء) کا درج ذیل رسالہ شامل کیا گیا ہے۔

Untouchability, The dead cow and the Brahmin

(چھوت چھات، مردہ گائے اور برہمن)

افادۂ عامہ کے لیے کتاب مذکور کے چند اقتباسات محررہ ذیل ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی تفاصیل بھی سپرد قرطاس ہوں گی۔

1-Although flesh eating was forbidden for a Vedic teacher during the months between Upakarma and Utsarjana, according to a Dharmasutra text the flesh of cows and bulls was pure and may be eaten. Not surprisingly, beef was the favourite food of the much-respected sage of Mithila, Yajnavalkya, who made the obdurate statement that he would continue to eat the flesh of cows and oxen so long as it was tender.(The Myth of the Holy Cow, page 36)

ترجمہ: گرچہ وید کے گرو کو اُپ کرما اور اُت سرجنا مہینوں کے درمیان گوشت کھانا حرام تھا، (لیکن) ایک مذہبی قانونی کتاب کے مطابق گائے اور بیل کا گوشت حلال تھا، اور کھایا جا سکتا تھا۔ تعجب کی بات نہیں کہ متھلا کے انتہائی قابل احترام سادھو یجنا والکیا، جس نے سخت بیان دیا کہ وہ مسلسل گائے اور بیل کا گوشت کھاتا رہے گا، جب تک کہ وہ نرم رہے۔

2-Laksmidhara in his Kriyakalpataru(twelfth century) explains the crucial passage of Yajnavalkya as well as a statement of Vasistha that in ancient times it was the duty of the householder to kill the cow for a learned brahmana.

(The Myth of the Holy Cow, page 117 Printed by: Navayana Publishing M-100, First Floor,Saket New Delhi 110017)

ترجمہ: لکشمی دھارا، اپنی کتاب ''کریا کل پتر'' میں وسستھا کے بیان کی طرح یجنا والکیا کی اہم عبارت کی عمدہ تشریح کرتا ہے کہ زمانہ ماضی میں فاضل برہمن کے لیے گائے کو مارنا (کاٹنا/ذبح کرنا) گھر کے مالک کی ذمہ داری تھی۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ برہمن بھی گائے کا گوشت کھاتا تھا، اسی لیے جب وہ کسی کے گھر مہمان ہوتا اس کے لیے گائے کاٹتا تھا۔

منو(Manu)وشنو(Visnu)وسستھا(Vasistha)،یجناوالکیا(Yajnavalkya)آتری(Atri)دیوالا(Devala) پرسارا(Parasara)وغیرہ ہندو مذہب کے قانون ساز(Lawgivers) تھے۔(دی مائتھ آف دی ہولی کاؤص ۱۴۵)

مسلمانو!آج گائے کے نام کس قدر ہنگامہ آرائی ہورہی ہے۔گلی کوچوں سے لے کرملکی پارلیامنٹ تک اسی بحث کی گونج سنائی دیتی ہے۔ مسلمان اوردلت انتہائی کمزور سمجھ لیے گئے ہیں،اسی نظریہ کے زور پرمسلمانوں اوردلتوں پر پے در پے حملے ہورہے ہیں۔اب ملک بھر میں مسلم،دلت اتحادکاماحول بھی بنتا جارہاہے،تاکہ متفقہ طور پراپنی آواز سے حکومت کوآ گاہ کیا جائے۔قوم مسلم اقلیت کے وہم میں بھی مبتلا ہے،اسی لیے بہت سے کاموں میں وہ ہمت ہار بیٹھتی ہے،حالانکہ تمام معاملات کا دارومدار اکثریت واقلیت پرنہیں ہے۔ملک میں ڈھائی فیصد برہمن'' آرایس ایس (RSS)'' کے بینر تلے پورے ہندوستان کواپنی مٹھی میں لیے ہوئے ہیں،حالانکہ اس کی مخالفت میں بلاتفریق مذہب وملت ہندوستان کی تمام قومیں آوازیں بلند کررہی ہیں۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ برہمنوں کاایک بڑاطبقہ حکومت کے تمام شعبہ جات میں موجود ہے،وہ حکومتی مشین پر قابض ہیں۔

عالمی سطح پرغور کریں تو یہودی جو دنیا بھر میں قلیل التعداد ہیں،وہ یورپ کی مضبوط حکومتوں مثلاً امریکہ،برطانیہ،وغیرہ پر قابض ہیں،کیونکہ اکثر اعلیٰ حکومتی عہدوں پر یہودی براجمان ہیں۔ برہمن اور بنی اسرئیل دونوں سازشی ذہن رکھتے ہیں،ظلم وجبر بھی ان کی فطرتوں میں شامل ہے،ساتھ ہی علم اوردولت ان دونوں کے پاس ہے۔جمہوری حکومت میں جب تک کہ کوئی قوم کلیدی عہدوں پر قبضہ نہیں جماتی ہے،اس کی پسماندگی اورمظلومیت کاختم ہوناایک بےتعبیر خواب ہے۔اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کےاعلیٰ تعلیم یافتگان کوحرکت کرنی ہوگی۔سلفی جماعت،اسلامی جماعت اورتبلیغی جماعت نے اس جانب پیش قدمی شروع کردی ہے۔ارباب تسنن کی جانب سےبھی خبرآرہی ہے کہ جمشید پور میں''رضافورٹی'' کے نام سےایک تحریک نے کام کاآغاز کردیاہے۔اللہ تعالیٰ اس تنظیم کووسیع خدمات کی قوت عطافرمائے:آمین

ہم سوال اٹھاتے ہیں کہ ہندوستان کی مرکزی وریاستی حکومتوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہرقدم پرناانصافی کی ہے،لیکن ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہم نے انصاف پانے کی کتنی کوششیں کی ہیں؟ جمہوری ملک میں تمام شہریوں کے لیے مساوی حقوق ہوتے ہیں،لیکن جدوجہداورتگ و دوکرکے یہ حقوق حاصل کرنے ہوتے ہیں۔اگرآپ کاحق ڈاکخانہ میں ہوتا تو پوسٹ مین گھر تک پہونچا دیتا،لیکن آپ کاحق جمہوری نظام {Democratic System} میں ہے۔ان حقوق کی حصولیابی کے لیےہمیں پارلیامنٹ واسمبلی،عدلیہ وانتظامیہ اوردیگرمحکمہ جات کے چکرلگانے ہوں گے۔اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ قوم مسلم ان تمام شعبہ جات میں اصیل یادخیل ہو،تاکہ بطریق احسن آپ کےحقوق و مراعات کالحاظ کیاجاسکے۔جمہوریت میں رواج ہے:{جوجاگا،وہ پایا=جوسویا،وہ کھویا}

رب تعالیٰ اورحضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سےتوفیق واحسان کی امید پرہم نے یہ پلان بنایاہے کہ قوم کے لیےافادہ بخش اورکارآمد دستاویزات کومیگزین کےصفحات میں محفوظ کرنے کی کوشش کی جائے۔ارباب علم ودانش اس پروگرام میں شریک ہوکر ہماراقلمی وعلمی تعاون فرمائیں۔ماہنامہ''پیغام شریعت''(ماہ مئی ۲۰۱۷ء،ص۵۴) میں غیرمذہبی مضامین(Unreligious Articles)سےسیاسی و سماجی،طبی وتاریخی،تعلیمی ومعاشی اعتبار سےکارآمداورمفیدمضامین مراد ہیں،جوحالات حاضرہ کےموافق ہوں۔

موجودہ ایام میں مسلمانان ہندجن مشکل مسائل سےنبردآزماہیں،ان مسائل کاحل تلاش کیاجائے،اسی طرح جن امور پرقومی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو،ان پرقلم کاری کی جائے۔عہد حاضر میں کسی میگزین کودیکھ کرقارئین کاعام تأثر ہوتا ہے۔''بس!وہی ہے جو پچاس برسوں سےلکھا جارہاہے''۔قلمکاروں کوچاہئے کہ وہ محنت وجانفشانی کریں،اورنئے میدانوں کی تلاش۔مستفیدین کی پسند کالحاظ رکھیں اور حالات حاضرہ کی رعایت:واللہ الہادی الی الصراط القویم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

رزق میں برکت کے اسباب وذرائع

ازافادات: حضرت مولانا پیر محمد رضا ثاقب مصطفائی نقشبندی (بانی ادارۃ المصطفیٰ انٹرنیشنل)
مرتب: وسیم احمد رضوی (نوری مشن: مالیگاؤں)

رزق حلال اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک بڑی نعمت ہے۔ رزق میں برکت کا ایک بہت بڑا ذریعہ شکر الٰہی ہے: رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿لَئِن شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيدَنَّكُمۡۖ وَلَئِن كَفَرۡتُمۡ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٞ﴾ (سورہ ابراہیم: آیت ۷)

ترجمہ: اگر تم شکر کروگے، میں تمہیں اورزیادہ عطا فرماؤں گا، اور اگر تم کفرانِ نعمت (نعمت کی ناشکری) کروگے تو پھر میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

رزق میں اضافے کا ایک اور بہت بڑا سبب انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو تم خرچ کرتے ہو، جو چیز تم نے نکال دی، اس کی جگہ تمہیں اللہ اور عطا کردے گا۔ بعض اوقات ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی مالی بحران میں آگیا تو وہ یہ کرتا ہے کہ جو راہ خدا میں دینے کا کھاتہ تھا، پہلے اسے close کرتا ہے۔ یہ فلاں مدرسے کو دیتے ہو، یہ بھی بند کردو۔ یہ فلاں مسجد کو دیتے ہو، یہ بھی بند کردو۔ یہ فلاں غریب کو دیتے ہو، یہ بھی بند کردو۔ حالات Tight ہو گئے ہیں......لیکن پانچ گاڑیاں ہیں، دو گاڑیوں پر گذارہ کرلیا جائے کہ پٹرول بچے، یہ نہیں ہوسکتا۔ گھر کے لچھن وہی ہیں، لیکن بند کہاں کیا؟ جہاں سے رزق آنا تھا۔ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب رزق تنگ ہونے لگے تو صدقہ دے کر رب تعالیٰ سے کاروبار کرلو۔ صدقہ سے تمہارے رزق میں اضافہ ہوگا۔ یہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔

رزق کی برکت کا ایک اور بہت بڑا ذریعہ نکاح ہے۔ فرمایا: اگر تم نکاح کروگے؛ فقیر ہو تو وہ تمہیں غنی کردے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بچہ پیروں پہ کھڑا ہولے تو پھر نکاح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم نکاح کرو، ہم پیروں پہ کھڑا کردیں گے۔ ہمارا فلسفہ اپنا ہے، اُس کا حکم اپنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ اپنے لیے نہیں کماتا تو جو آئے گی، اس کو کہاں سے کھلائے گا؟ حالانکہ جس نے آنا ہے، اس نے اپنا رزق لے کے آنا ہے تو بچوں کی شادیاں کرو، اگر وہ جوان ہو گئے ہیں، رزق نصیب ہوگا۔

اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دینے سے رزق بڑھتا ہے، کیوں کہ جو صبح کا وقت ہوتا ہے، یہ رزق کے بٹنے کا وقت ہوتا ہے، اور جس گھر میں صبح کے وقت لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں، وہاں بے برکتی ہوتی ہے تو طلوعِ فجر سے لے کر کے طلوعِ آفتاب تک اپنی بیوی اور بچوں کو نہ سونے دیں۔ اس وقت رزق بٹنے کے لمحے ہوتے ہیں۔ کثیر دعائیں مانگیں، تلاوتِ کلام مجید کریں اور نمازِ فجر مرد حضرات مسجدوں میں جاکر باجماعت ادا کریں اور گھروں میں بیٹیاں، بہنیں مصلّے بچھالیں تو اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوگا۔

ایک حدیث میں رزق کے اضافے کا ایک اور نسخہ ارشاد فرمایا گیا۔ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں برکتیں ہوں اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ رشتے داروں کے ساتھ اگر اچھا سلوک کروگے تو پھر تمہارے رزق میں برکت ہوگی۔ وہ اگر غریب ہیں تو ان کی مدد کرو، ان کی بیٹیوں کی شادیاں اپنے ذمے لے لو، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت دی ہے، ان کی پریشانیاں بانٹ لو، ان کا قرضہ ہے تو اتارنے کی کوشش کرو، ان کو مشکلات سے نکالنے کی کوشش کرو، تم اُن کو مشکلات سے نکالوگے، اللہ تمہیں مشکلوں سے نکالے گا۔ تمہارے رزق میں بھی برکتیں ہوں گی اور تمہارے مال میں بھی برکتیں ہوں گی۔

فرمایا: بہتر صدقہ وہ ہے جو ناراض غریب رشتہ دار کو دیا جائے۔ اگر وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے، مجبور ہے، ناراض ہے تو اس کو اگر دیں گے تو تمہارا نفس اس میں شامل نہیں ہوگا تو یہ افضل صدقہ ہے، جس کی قبولیت کی پوری امید ہے۔

رزق کے اضافے کا ایک اور سبب ''احسان الی الضعفاء'' ہے: یعنی جو کمزور لوگ ہیں، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ اور ''الانفاق علیٰ

طلبۃ العلم' ہے: طالب علموں پہ خرچ کرنا، یہ بھی رزق میں اضافے کا سبب ہے تو اللہ یہ رزقِ فراواں، وسیع اور مبارک نصیب کردے۔اس کے لیے ایک وظیفہ یہ ہے کہ مغرب کے بعد اکیس مرتبہ سورۃ الکوثر پڑھ لیں، رزق کی کثرت ہوجائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ !اول وآخر درود شریف پڑھ لیں۔ پانچ سات منٹ لگیں گے۔سورہ کوثر اکیس مرتبہ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد پڑھیں، اور اگر بہت زیادہ مشکلات ہوں تو ہر نماز کے بعد پڑھ لیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو گھر میں برکتیں اترتی محسوس ہوں گی۔انوار کا نزول ہوتے محسوس کریں گے۔یہ رزق کے اسباب ہیں کہ اگر ہم اختیار کرلیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کے حق دار ہوں گے۔اللہ ہم سب کو رزقِ حلال، رزقِ وسیع، رزقِ سہل، رزقِ مبارک، رزقِ فراواں نصیب فرمائے: آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حجۃ الاسلام اور علمی خدمات

سید شاہ محمد ریّان ابوالعلائی، خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ: داناپور شریف (پٹنہ)

حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد فیض بنیاد ہے کہ'' علماء اُمتی کا نبیاء بنی اسرائیل ''یعنی میری امت کے علما قوم بنی اسرائیل کے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی طرح دین متین کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیں گے، چنانچہ دنیائے اسلام میں علی العموم اور ہمارے ہندوستان میں علی الخصوص جو مسلمانوں کی کثرت نظر آتی ہے، وہ انہیں اللہ والوں کے دم قدم کی برکت ہے۔انہیں میں ایک علمی شخصیت حجۃ الاسلام حضرت العلام حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز (م ۱۳۶۲ھ) ہیں۔تمام مروجہ علوم وفنون میں آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد امام اہل سنت اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر نگرانی ہوئی۔۱۹/ انیس برس کی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کی، بیعت وخلافت کا شرف حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ العزیز (م ۱۳۲۴ھ) کے علاوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ سے بھی حاصل ہے۔ آپ علم وعمل میں باکمال اور حسن وجمال میں شہرہ آفاق ہیں۔

آپ محض فاضل بریلوی کے نور نظر ہونے کی بنا پر محترم ومکرم نہیں، بلکہ آپ اپنی خداداد صلاحیت، علم وفضل، استعداد وقابلیت، تبحر علمی اور علم وعرفان کی بدولت حجۃ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے۔آپ بہت خوبرو، حسین وجمیل اور صاحب وجاہت تھے۔صورت وسیرت ہر اعتبار سے اسلام کی حجت وحقانیت کی دلیل وبرہان تھے۔کئی بدمذہب اور مرتدین آپ کے چہرہ زیبا دیکھ کر تائب ہوئے۔شہسواری کا شوق خوب تھا، امرا ورئیسان، دیدار کے لیے بیتاب رہا کرتے۔اپنے اسلاف کرام کے مکمل نمونہ تھے۔عمدہ اخلاق وعادات کے جامع تھے۔ طبیعت میں نفاست پسندی تھی۔تدریس وتحریر کی طرح آپ کی تقریر بھی بہت مدلل اور مؤثر ہوتی تھی۔فرق باطلہ سے کئی ایک مناظرے فرمائے۔جس میں بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ فتح پائی۔دیوبندیوں سے فیصلہ کن مناظرہ کے لیے لاہور گئے، لیکن دیابنہ حاضر نہ ہوئے۔فاضل بریلوی کو حجۃ الاسلام سے بہت محبت تھی اور ناز بھی تھا۔

حجۃ الاسلام ہر اعتبار سے اپنے والد ماجد کے صحیح معنوں میں جانشین اور وارث تھے۔ان کی ہر تحریک اور ہر کام میں معاون ومددگار، ان کے ہمدم وہمراز، قدم قدم پر ان کے ساتھ اور پیروکار، ان کے دست راست اور وکیل، الغرض ہر موڑ پر اپنے والد بزرگوار کا ساتھ دیا۔وہ تمام دینی خدمات جو فاضل بریلوی کی موجودگی میں آپ نے حرمین طیبین میں سرانجام دیں، ان کو فاضل بریلوی نے بے حد سراہا۔فاضل بریلوی کو پوکھریرہ (ضلع سیتامڑھی، بہار) کے ایک جلسہ کے لیے مولانا عبدالرحمٰن پوکھریروی نوراللہ مرقدہ نے دعوت دی، مصروفیت کے سبب آپ نے حجۃ الاسلام کو اپنی جگہ پر گرامی نامہ کے ساتھ روانہ کیا۔مکتوب کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

''اگرچہ میں اپنی مصروفیت کی بنا پر حاضری سے محروم ہوں، مگر حامد رضا کو بھیج رہا ہوں۔یہ میرے قائم مقام ہیں۔ان کو حامد رضا نہیں، احمد رضا

ہی کہا جائے''

اور کیوں نہ ہو کہ انہیں کے لیے فاضل بریلوی نے فرمایا ہے۔"حامد منی و انا من حامد"اس طرح فرمانا ایک طرف تو اپنے فرزند سے ان کی بے حد محبت اور دوسری طرف ان پر بے انتہا ناز کا غماز ہے۔۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کا یادگار جلسہ بنام''ردتحریک ندوہ''جس میں علما و مشائخ و سجادگان طریقت مثلاً جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی ثبات بہاری(سجادہ نشیں: خانقاہِ معظم بہار شریف)،حضرت سید شاہ محمد محسن ابوالعلائی داناپوری(سجادہ نشیں: خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ داناپور)،حضرت سید شاہ عزیز الدین حسین منعمی قمری عظیم آبادی(سجادہ نشیں: خانقاہ منعمیہ قمریہ،میتن گھاٹ،پٹنہ)اور حضرت سید شاہ محی الدین قادری مجیبی(سجادہ نشیں: خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)وغیرہ کے علاوہ فاضل بریلوی کے ہمراہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بھی پیش پیش تھے۔فاضل بریلوی نے اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی انہیں وصیت فرمائی۔ وصال سے ایک جمعہ قبل اپنے پاس مرید ہونے کے لیے آنے والوں کو حجۃ الاسلام سے بیعت ہونے کی ہدایت ان الفاظ میں فرمائی۔

''ان کی بیعت میری بیعت ہے،ان کا ہاتھ میرا ہاتھ اوران کا مرید میرا مرید ہے''

اکابر علما نے آپ کی استعداد و قابلیت کا لوہا مانا۔حرمین طیبین کی حاضری میں حضرت العلام پیر سید حسین الدباغ نوراللہ مرقدہ نے آپ کی قابلیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔''ہم نے ہندوستان کے اطراف واکناف میں حجۃ الاسلام جیسا فصیح و بلیغ نہیں دیکھا''۔

آپ نہایت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ برجستہ عربی میں خطبات اور اشعار و مضامین تحریر فرماتے۔عربی زبان پر آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔علوم ادبیہ کے علاوہ دیگر علوم و فنون مثلاً تفسیر،حدیث،اصول فقہ،منطق،فلسفہ وغیرہ میں بھی دسترس حاصل تھی۔آپ کا درس بیضاوی،شرح عقائد اور شرح چغمنی وغیرہ بہت مشہور تھا۔

راقم کے والد ماجد ڈاکٹر سید شاہ ابو طاہر چشتی ابوالعلائی صاحب خانقاہِ سجادیہ ابوالعلائیہ محلّہ شاہ ٹولی،داناپور شریف(پٹنہ)نے اپنا مقالہ برائے ڈی،فل ڈگری(الہ آباد یونیورسیٹی)بعنوان''اردو شاعری کے ارتقا میں شاہ احمد رضا بریلوی کی شعری تخلیقات کا تنقیدی مطالعہ''(اکتوبر ۱۹۹۱ء)431/صفحات پر مشتمل تحریر فرمایا۔مقالہ(صفحہ 121)میں حجۃ الاسلام کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''تفسیر و حدیث سے گہرا شغف تھا۔عربی ادب پر غضب کا عبور رکھتے تھے۔رسالہ''الاجازات المتینۃ''کا عربی مقدمہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے،اس کے علاوہ معرکۃ الآرا عربی تصنیف''الفیوضات المکیہ''کا اردو ترجمہ کیا ہے۔''الدولۃ المکیہ''مطبوعہ کراچی کے بعض مقامات پر اردو میں حاشیئے تحریر فرمائے، برسہا برس دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں درس حدیث دیا،آپ(حجۃ الاسلام)کی دیگر تصانیف میں رسالہ ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی''(مسلہ ختم نبوت سے متعلق)،''سدالفرار''(مسلہ اذان سے متعلق)،مجموعہ فتاویٰ اور نعتیہ دیوان حال ہی میں شائع ہوئے ہیں۔رسالہ ملا جلال کا مکمل حاشیہ قلمی صورت میں محفوظ ہے''۔علاوہ ازیں ترجمہ حسام الحرمین،سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنہ،وغیرہ ہیں۔نعت گوئی،بڑی فصیح و بلیغ،عشق و محبت میں ڈوبا ہوا شعر،فکر و نظر کی گہرائی،عشق و محبت کی جولانی،الفاظ کے بر محل استعمال،حلاوت و چاشنی،ندرت و سلاست کے انداز لیے پھرتی تھی۔

واضح ہو کہ ہندو پاک میں مریدین و محبین کی ایک کثیر تعداد کے علاوہ تلامذہ و خلفا کی بھی ایک بڑی جماعت تھی،مثلاً مجاہد ملت حضرت العلام حبیب الرحمٰن قادری عباسی دھام نگر(بانی: تبلیغ سیرت)،حضرت العلام ابراہیم رضا خاں بریلوی،حضرت العلام حشمت علی خان لکھنوی،حضرت العلام رفاقت حسین قادری مظفرپوری،حضرت العلام سردار احمد لائل پوری وغیرہم۔آخرکار یہ ستارہ ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ کو ستر برس کی عمر میں ظاہراً ڈوب گیا۔مولوی محمد ابراہیم فریدی سمستی پوری نے تاریخ وفات پر مبنی فارسی میں ایک طویل نظم کہی ہے۔

مسجد اقصیٰ میں صہیونی جارحیت

مولانا غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن: مالیگاؤں)

مسلم ممالک کی مجرمانہ خموشی سے اسرائیل کے حوصلے بلند

ارض قدس پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی تلاش میں، نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

عالمِ صیہونیت اِس وقت شاداں ہے، مسرتوں سے سرشار ہے، اِس لیے کہ اُن کی فتوحات کا ایک باب تکمیل کو ہے۔ مسجد اقصیٰ قبلۂ اول ان کی دسترس میں مدتوں پہلے آ گیا۔ آج مسجد اقصیٰ سے مسلمانوں کا ایسا انخلا ہوا کہ انھیں نماز تک کی اجازت نہیں۔ فلسطینی مسلمان شہید کیے جا رہے ہیں۔ اسلامی ممالک کی خاموش حمایت نے عرب کی سرزمین پر اسرائیل کے حوصلے بلند کر رکھے ہیں۔ نصف صدی سے زائد عرصہ گزرا کہ اہلِ فلسطین نہتے اور تنہا کر دیے گئے۔ وہ اپنے دفاع کی لڑائی خود لڑ رہے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد اسرائیل ان پر مسلط ہے۔ اسرائیل کے آگے دبے لچے اور اُس کی حمایت سے عیش وطرب میں مگن کسی مسلم ملک میں فلسطین کی تائید کی جرأت و ہمت نہیں۔ یہ المیہ آج مزید ابھر کر سامنے آیا، جب لہولہان بیت المقدس پوری دنیا میں انسانیت وامن کے نام نہاد علم برداروں کی اسرائیل نوازی کا شکوہ کر رہا ہے۔

اسلامی تاریخ کا نقشِ تاباں

بیت المقدس اسلامی تاریخ کا عظیم باب ہے۔ اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے فتح کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا، پھر اہلِ بابل قابض ہوئے۔ یہودیوں اور بعد کو یونانیوں نے قبضہ جمایا۔ رومی بھی قابض رہے اور ۱۲۳ر قبل مسیح یہودیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ عیسائی فرماں روا قسطنطین نے یہاں گرجا تعمیر کیا۔ ۶۳۷ء میں مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی۔ ۴۵۰ر سالوں تک یہ گہوارۂ امن بنا رہا۔ صلیبی جنگوں کے نتیجے میں رومن قیادت وعیسائی دنیا نے یلغار کر کے عربوں کو نکال دیا، پھر عثمانی ترکوں نے اسے واپس مملکتِ اسلامیہ میں شامل کیا۔

بیت المقدس پہاڑی علاقوں میں آباد ہے۔ بحیرۂ روم کی سطح سے ۲۶۰۰ر فٹ اور بحیرۂ مردار سے ۳۵۰۰ر فٹ بلند ہے۔ بحیرۂ روم ۳۳ر میل اور بحیرۂ مردار ۱۰ر میل پر واقع ہے۔ جزیرہ نما علاقہ ہے۔ یہاں کثیر زیارت گاہیں ہیں۔ یہ شہر بار بار اُجڑا ہے، پھر آباد ہوا ہے۔ اس کے باشندے کبھی اُجاڑے گئے، کبھی جلا وطن کیے گئے۔ یہاں تاریخ کے کئی دور گزرے۔ اللہ نے بہاریں عطا کیں۔ مقدس انبیا کے ذریعے اسے زینت بخشی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد مبارک میں یہ فتح ہو کر بنی اسرائیل کا مسکن بنا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے فصیل بند کیا اور جبلِ زیتون پر محل تعمیر فرمایا۔ ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عہد بادشاہت میں بیت المقدس میں ہیکل کی تعمیر کی اور اس میں تابوتِ سکینہ رکھا، جس میں تبرکات ومنسوباتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو شوکت دی۔ بعد کو خدا کی نافرمانی کے سبب ذلت طاری ہوئی اور یہودیوں کا دور جاتا رہا۔

بخت نصر شاہِ بابل (عراق) نے یہودیوں کی عہد شکنی وغدر سے تنگ آ کر بیت المقدس پر حملہ کیا۔ ہیکل کو تباہ کیا، یہودیوں کا قتل عام کیا، قبضہ جمانے کے بعد باقی ماندہ یہودیوں کو اسیر بنایا۔ انھیں بعد کو جلا وطن کر دیا، پھر وہ دریائے فرات کے کنارے بابل میں آباد کیے گئے اور اس بستی کا نام تل ابیب رکھا گیا۔ اسرائیل کا موجودہ دارالحکومت تل ابیب اسی کی یاد میں ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ ناز سے اسے برکت دی۔ شبِ معراج محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیت المقدس آمد ہوئی۔ حضرات انبیائے کرام کی امامت امام

الانبیاعلیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ سبحان اللہ! اس طرح مسلمانوں کی جبینِ عقیدت سوئے اقصیٰ جھکتی ہے۔ محبتوں کا قبلہ ہے یہ ارضِ اقدس۔ ۷ے۶۳ء میں ایک مدت تک محاصرے کے بعد یہ شہرِ مقدس مسلمانوں کے حوالے ہوا۔

مقدس مقامات

بیت المقدس کئی ناموں سے یاد کیا گیا۔ یہودی وعیسائی اسے یروشلم کہتے ہیں، جس کے معنی ورثۂ امن بیان کیے جاتے ہیں۔ اسے Golden City بھی کہا جاتا ہے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے اور مدھم روشنی یہاں کے سنہرے پتھروں کے مکانات سے مرتعش ہوتی ہے تو کرنیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ یہاں امن کم ہی رہا۔ اسے مسلمان بھی مقدس مانتے ہیں اور یہود ونصاریٰ بھی۔ یہاں کثیر انبیا کی آمد ہوئی، جن کے قدموں کی برکت سے یہ پاک زمیں باغ و بہار ہے، لیکن یہود ونصاریٰ کی یہ کوشش ہمیشہ رہی کہ یہاں صرف انھیں کا قبضہ ہو۔

مسلمانوں کو ایک سازش کے تحت مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ ایک صدی سے زیادہ مدت سے منصوبہ بند طریقے سے مسلم بستیاں اُجاڑی جارہی ہیں۔ یہودی بستیاں بسائی جارہی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے چاروں طرف سے مسلمانوں کو خانماں برباد کیا جارہا ہے۔ ہراساں کر کے بھگانے کی مہم جاری ہے۔ نسلوں کو تباہ اور لہو کو ارزاں کر دیا گیا ہے۔ ہر روز تباہی ہے، ہر روز طوفاں ہے۔ مسلمانوں کا خون پانی سے سستا ہو گیا ہے۔ آہ وسسکیاں اور نالے بلند ہورہے ہیں، لیکن ظالم بجائے باز آنے کے ظلم میں بڑھتے جارہے ہیں۔ ان کے باز و مسلم ممالک کی غفلت کے سبب طاقتور بنتے جارہے ہیں۔

سازشی عزائم کی تکمیل

ماضی میں عرب میں جو کچھ حالات گزرے، ان میں اکثر احوال یہودی فکر و مفاد کے مطابق تھے۔ لیبیا، عراق، شام، یمن، مصر کی تباہی، پے در پے مسلم ملکوں میں بدامنی مشن کو تقویت، داعش والقاعدہ کا وجود، سالِ گزشتہ مسجد نبوی شریف سے قریب دھماکہ اور اِس رمضان کے اختتام پر حدود حرم میں دھماکہ، ان سب کے پسِ پردہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسرائیل کا ہاتھ محسوس ہوتا ہے۔ یوں ہی پاک وافغان کی بربادی بھی اسی ذہنی بانجھ پن کا نتیجہ ہے، حتیٰ کہ مسلم ممالک کے نمائندہ اجلاس میں حرمین کے حکمرانوں کے ذریعہ امریکی حکمراں کی آمد وشرکت بھی یہودی کاز کا اہم حصہ ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ موجودہ تباہی میں کوئی بھی مسلم ملک اسرائیل کے خلاف میدان میں نہیں، سوائے ترکی کے۔ مسلم ممالک اپنے اقتدار کا عرصہ طویل کرنے کے لیے شعوری ولاشعوری طور پر یہودی ریاست کے مفاد میں کام کررہے ہیں۔

ایسے میں یواین او (اقوام متحدہ)، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور جمہوری اقدار کے فروغ کی بات کرنے والے ادارے بھی لب کشائی کی جرأت نہیں کر پارہے ہیں۔ انھیں مسلمان کا وجود کھٹکتا ہے۔ انھیں مسرت ہورہی ہوگی کہ اسرائیل نے والیانِ اقصیٰ پر اقصیٰ میں داخلہ بند کررکھا ہے۔ اسرائیل کو خوب پتہ ہے کہ عربوں کی غیرت مرچکی ہے۔ وہ بیت المقدس کے تحفظ کو نہیں آئیں گے۔ اسی لیے وہ پورے خطے میں دہشت گردانہ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں لگا ہے۔ اگر مسلم ملکوں کو کچھ احساس بھی ہوتا ہے تو وہ زبانی جمع خرچ تک ہی محدود ہے۔

اب مسلم ممالک کی متحدہ قوت کے ذریعے دہشت گردوں کے خاتمہ تک عملی جدوجہد کا وقت ہے۔ اگر تمام مسلم ممالک حرمین کے شاہانِ وقت کی سربراہی میں اسرائیل کو یہ دھمکی دیں کہ ہم اپنی سپاہ کے ذریعے تشدد کا فوری جواب دیں گے تو صرف اس قدر پیش رفت سے ہی اسرائیل کے بازو ٹوٹتے محسوس ہوں گے، لیکن عربوں کی غیرت مردہ ہوچکی ہے، حالاں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مردِ جری کی مثالی زندگی ان کے سامنے ہے۔ ابھی مزید قربانیوں کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ شاید جب تک طوفان ان کے اقتدار کی بنیاد ہلا چکا ہوگا۔

باغ وبھار

مدارس اسلامیہ کے طلبا و طالبات اور اسکول و کالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق و تربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین{Short Articles} قبول کیے جائیں گے ،جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام ،ولدیت ، سکونت ،تعلیم گاہ اور درجہ/کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ وبہار'' کے مضامین اس ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ)　tariqueanwer313@gmail.com

آمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہندوستان میں

سدرہ فاطمہ بنت عطاء المصطفٰے عالم شمسی (توپسیا،کلکتہ)　　کلاس پنجم :البینی ہال پبلک اسکول (بنیاپوکھر،کلکتہ)

امرکنٹک{Amarkantak, Anuppur} (ضلع انوپور:مدھیہ پردیش) جہاں سے نرمدا ندی جاری ہوئی ہے، وہاں سمراٹ وکرمادتیہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے ایک ہزار سال قبل ایک مندر بنایا تھا،یعنی آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے یہ مندر بنایا گیا تھا۔اسی مندر میں ایک بڑے چٹان پر گول گول دائرہ میں سارے اوتار (پیغمبر) کا مجسمہ (تصویر) بنایا۔اس چٹان کے بیچ میں کلکی اوتار کا مجسمہ بنایا۔سارے اوتاروں کا لباس دھوتی بنایا اور اوپر کا بدن کھلا ہوا رکھا اور کلکی اوتار کا لباس لنگی اور عربی جبہ بنایا۔سارے اوتاروں کے سروں پر تاج نما گول ٹوپی بنایا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک پر عمامہ بنایا اور لکھا کہ کلکی اوتار کا سایہ زمین پر نہیں پڑے گا اور یہ کہ کلکی اوتار کی سواری کا نام قصوا (اونٹنی کا نام) ہوگا،کلکی اوتار کے والد کا نام ایشور داس (عبداللہ-اللہ کا بندہ) اور ماں کا نام شانتی (آمنہ -امن والی) ہوگا۔وہ ایسی جگہ جنم لیں گے، جہاں خدا کی عبادت کا سب سے بڑا گھر ہوگا،وہ پہاڑیوں والا گاؤں ہوگا۔

جب وہ پچیس سال کے ہوں گے تو پہلی شادی ایسی عورت سے کریں گے جو دو شوہروں کی بیوہ ہوگی۔جب وہ چالیس سال کے ہوں گے تو اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر ان کے پاس آئے گا۔ابتدائی مرحلہ میں کمزور لوگ ان کے ساتھی بنیں گے۔ان کے اپنے قریبی رشتہ دار دشمن بن جائیں گے۔جب وہ باون سال کے ہوں گے تو ان کے قریبی رشتہ دار انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے،وہ کھجوروں والے گاؤں میں ہجرت کر جائیں گے۔وہ خدا کے مذہب کی حفاظت کے لیے دشمنوں سے پہلی جنگ کریں گے،ان کے ساتھی تین سو تیرہ ہوں گے اور دشمن ہزار کی تعداد میں ہوں گے۔پہلی جنگ میں اللہ ان کی مدد کے لیے پر والے جوانوں کو بھیجے گا۔جب کلکی اوتار دوسری جنگ کریں گے تو خود بھی زخمی ہوں گے۔خدائی مذہب کی تکمیل کے بعد جب وہ چلے جائیں گے تو ان کے چار خلیفہ ہوں گے۔ان کے پہلے دو خلیفہ ان بیوی کے باپ (سسر) ہوں گے،اور آخری دو خلیفہ ان کی بیٹی کے شوہر (داماد) ہوں گے۔ان کے تینوں بیٹے بچپن ہی میں اللہ کے یہاں چلے جائیں گے۔ان کی چھوٹی بیٹی کے دو بیٹے ہوں گے،اور ان کے پیروکار ہی ان کے چھوٹے بیٹے کو لہولہان کر کے ماریں گے۔

(نورانی نیٹ ورک)

نرمداندی{Narmada River} کو ریواندی {Rewa River} بھی کہا جاتا ہے۔اسے لائف لائن آف مدھیہ پردیش {Life Line of Madhya Pradesh} کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان کی پانچویں سب سے لمبی ندی ہے، جو بھارت کے بیچوں بیچ بہتی ہے۔ یہ مدھیہ پردیش، مہاراشٹر سے گذرتی ہوئی گجرات میں کھمبات (بھڑوچ، گجرات) کے پاس بحرعرب سے جا ملتی ہے۔ ہندوقوم جن ندیوں کو مقدس قرار دیتی ہے، نرمداندی بھی اس میں شامل ہے۔حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات میں پہلی جنگ سے ''جنگ بدر'' مراد ہے، اور دوسری جنگ سے ''جنگ احد'' مراد ہے۔ ''پروالے جوانوں'' سے فرشتے مراد ہیں۔ چھوٹے بیٹے کو لہولہان کر کے مارنے سے کربلا کا واقعہ مراد ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلمان کہلانے والوں نے میدان کربلا میں شہید کر دیا۔

حج کعبہ معظّمہ وزیارت روضہ مقدسہ کے فضائل

محمد ناظم بن عبدالرحیم، قدم گاچھی ضلع اتر دیناج پور (بنگال) درجہ حفظ: جامعہ حضرت بلال، ٹیانری روڈ (بنگلور)

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: حاجی اپنے گھر والوں میں سے چارسو کی شفاعت کرے گا اور گناہوں سے ایسا نکل جائے گا، جیسے اس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (مسند البزار ج ۸ ص ۱۶۹)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضوراقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے، اور حاجی جس کے لیے مغفرت طلب کرے، اس کی بھی (مغفرت ہو جاتی ہے) (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۸۳)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جو میری زیارت کو آئے، میری زیارت کے علاوہ کسی اور ضرورت کے لیے نہ آیا ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۲۲۵)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: حضور تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جس نے حج کیا، اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہے، جیسے میری حیات میں زیارت سے مشرف ہوا۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳۵۱)

صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا: ''حاضری میں خالص زیارت اقدس کی نیت کرو، یہاں تک امام ابن الہمام فرماتے ہیں: ''اس بار مسجد شریف کی نیت بھی شریک نہ کرے''۔ (بہار شریعت ج ۶ ص ۱۲۲۲- المدینۃ العلمیۃ، دعوت اسلامی)

صدرالشریعہ نے تحریر فرمایا: ''حج اگر فرض ہے تو حج کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو۔ ہاں، اگر مدینہ طیبہ راستہ میں ہو تو بغیر زیارت، حج کو جانا سخت محرومی وقساوت قلبی ہے، اور اس حاضری کو قبول حج وسعادت دینی ودنیوی کے لیے ذریعہ ووسیلہ قرار دے، اور حج نفل ہو تو اختیار ہے کہ پہلے حج سے پاک وصاف ہو کر محبوب کے دربار میں حاضر ہو، یا سرکار میں پہلے حاضری دے کر حج کی مقبولیت ونورانیت کے لیے وسیلہ کرے ۔غرض جو پہلے اختیار کرے، اسے اختیار ہے، مگر نیت خیر درکار ہے''۔ (بہار شریعت ج ۶ ص ۱۲۲۲- المدینۃ العلمیۃ، دعوت اسلامی)

مجلس دستور ساز کے مسلم ممبران

صبیحہ نوری بنت منیف عالم رضوی، مرغیا چک سیتامڑھی (بہار) کلاس فرسٹ پی یو سی: گرلس کالج، چنتامنی (کرناٹک)

یوم آزادی اور یوم جمہوریہ

آزادی کے بعد ملک ہند کا جمہوری دستور کئی سالوں میں تیار ہو کر ۲۶/ جنوری ۱۹۵۰ء کو ملک میں نافذ ہوا، اسی لیے ۲۶/ جنوری کو ''یوم

جمہوریہ'' کہا جاتا ہے، جیسے ۱۵/ اگست کو ''یوم آزادی'' کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا۔ ملک ہند کے جمہوری دستور کو مجلس دستور ساز کے ۳۰۲/ ممبروں نے باہمی مفاہمت اور اتفاق رائے سے منظور کر کے ملک کے لیے نافذ کیا۔ ان ۳۰۲/ ممبروں میں ۳۵/ مسلم ممبران تھے، جو مجلس دستور ساز کے لیے مختلف علاقوں سے منتخب ہو کر آئے تھے، ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء-۱۹۵۸ء): آزاد ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم، مجاہد آزادی وسابق صدر کانگریس۔

(۲) ابوالقاسم خاں (۱۹۰۵ء-۱۹۹۱ء) A K Khan: آپ بنگالی وکیل، صنعت کار اور سیاست داں تھے۔

((۳) عبدالحلیم غزنوی (۱۸۷۶ء-۱۹۵۳ء): یہ سیاست داں، تعلیمی وثقافتی امور کے سرپرست اور زمیندار تھے۔

(۴) سید امجد علی (۱۹۰۷ء-۱۹۹۷ء) (۵) قاضی سید کریم الدین (۱۸۹۹ء-۱۹۷۷ء) ایم اے، ایل ایل بی۔

(۶) آصف علی (۱۸۸۸ء-۱۹۵۳ء): آپ ایک وکیل تھے۔ آپ پہلی بار ہندوستان کی طرف سے امریکہ کے سفیر مقرر ہوئے، اور کئی سال تک اڑیسہ کے گورنر رہے۔

(۷) بشیر حسین زیدی (۱۸۹۸ء-۱۹۹۲ء): آپ بی ایچ زیدی (B H Zaidi) سے زیادہ مشہور تھے۔

(۸) بی پوکر صاحب بہادر (۱۸۹۰ء-۱۹۶۵ء): آپ وکیل اور سیاست داں تھے۔

(۹) بیگم عزیز رسول (۱۹۰۸ء-۲۰۰۱ء): سیاست داں اور مجلس قانون ساز میں واحد مسلم خاتون۔

(۱۰) حسرت موہانی: معروف شاعر، مجاہد آزادی، اردوئے معلیٰ کے بانی مدیر۔

(۱۱) محمد اسماعیل صاحب (۱۸۹۶ء-۱۹۷۲ء): انڈین یونین مسلم لیگ کے مشہور لیڈر، راجیہ سبھا ولوک سبھا کے سابق ممبر، ان کا آبائی وطن کیرلا تھا۔ ان کو ''قائد ملت'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۱۲) محبوب علی بیگ صاحب بہادر: ہندوستانی مجلس قانون ساز کے ممتاز رکن، جنہوں نے اقلیتوں کے مسائل کی نمائندگی میں اہم کردار ادا کیا، خاص طور پر آزادی مذہب کے حوالہ سے آپ نے کئی ترمیمات اور اضافے پیش کیے۔

(۱۳) شیخ محمد عبداللہ (۱۹۰۵ء-۱۹۸۲ء): مشہور سیاست داں اور صوبہ جموں و کشمیر سے مجلس قانون ساز کے رکن۔

(۱۴) رفیع احمد قدوائی (۱۸۹۴ء-۱۹۵۴ء): مشہور مجاہد آزادی، کانگریسی لیڈر اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر مواصلات۔

(۱۵) سر سید محمد سعداللہ (۱۸۸۵ء-۱۹۵۵ء): آسام کے پہلے وزیر اعلیٰ۔

(۱۶) عبدالقادر محمد شیخ (۱۷) عبدالحمید (۱۸) سید عبدالرؤف (۱۹) چودھری عابد حسین (۲۰) حیدر حسین (۲۱) محمد اسماعیل خاں (۲۲) تجمل حسین (۲۳) لطیف الرحمٰن (۲۴) مرزا محمد افضل بیگ (۲۵) محمد سعید مسعودی (۲۶) نذیر الدین احمد (۲۷) راغب حسن (۲۸) سید جعفر امام (۲۹) محمد حفظ الرحمٰن (۳۰) محمد طاہر (۳۱) حسین امام (۳۲) جسیم الدین احمد (۳۳) کے ٹی ایم احمد ابراہیم (۳۴) کے اے محمد (۳۵) محمد عبداللہ۔

کامن سینس {Common Sense}

محمد کاشف رضا بن عطاء المصطفٰے عالم شمسی (توپسیا، کلکتہ) کلاس سوم: البینی ہال پبلک اسکول (بنیاپوکھر، کلکتہ)

(۱) ایک جلتے ہوئے گھر کے پاس تین آدمی کھڑے تھے، ایک آدمی نے ان تینوں کو بھگا دیا، پھر بھی اس آدمی کو جیل کی سزا ہوگئی۔ کیوں؟

جواب: یہ تینوں فائر بریگیڈ کے آدمی تھے۔ انہیں بھگا دینے سے گھر جل گیا۔ اسی لیے بھگانے والے کو سزا ہوئی۔

(۲) وہ کونسی چیز ہے جو اندھیرے میں نظر آتی ہے اور اجالے میں نظر نہیں آتی؟

جواب: اندھیرا (تاریکی)۔اندھیرا کبھی اجالے میں نظر نہیں آتا۔ جہاں تک اجالا رہتا ہے، اندھیرا وہاں نظر نہیں آتا۔
(۳) وہ کونسی جگہ جہاں ایک سو آدمی جاتے ہیں اور صرف ننانوے واپس آتے ہیں؟
جواب: قبرستان۔قبرستان میں لوگ مردہ کو دفن کر کے آتے ہیں۔
(۴) وہ کونسی جگہ جہاں ایک سو آدمی جاتے ہیں اور ایک سو ایک آدمی واپس آتے ہیں؟
جواب: شادی۔شادی میں لوگ دولہا کے ساتھ جاتے ہیں اور دلہن کے ساتھ واپس آتے ہیں۔
(۵) وہ کونسی سبزی ہے، جس کے نام میں تالا اور چابی دونوں کا ذکر ہے؟
جواب: لوکی۔اس میں لوک {Lock} اور کی {Key} دونوں کا ذکر ہے۔
(۶) وہ کونسی چیز ہے جو کمپیوٹر میں موجود ہوتی ہے، لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے؟
جواب: سافٹ ویر۔سافٹ ویر کمپیوٹر میں موجود ہوتا ہے، لیکن اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔
(۷) وہ کونسی چیز ہے، جو کہیں بھاگ نہیں سکتی، لیکن لوگ اسے باندھ کر رکھتے ہیں؟
جواب: ہاتھ گھڑی۔ یہ کہیں بھاگ نہیں سکتی، لیکن لوگ اسے ہاتھوں میں باندھ کر رکھتے ہیں۔

مذہب کے نام پر بننے والے دو ملک

مصباح المصطفیٰ بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس نہم: ہسوا ہائی اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

ماضی قریب کی تاریخ میں دو ایسے ممالک ہیں جو مذہب کے نام پر وجود میں آئے (۱) پاکستان (۲) اسرائیل۔ پاکستان دراصل ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔آزادی ہند: اگست ۱۹۴۷ء کے وقت ملک ہند کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ایک ہندوستان، دوسرا پاکستان۔ دونوں ممالک سیکولر اسٹیٹ ہیں اور جمہوری نظام کے مطابق حکومتی انتظامات ہوتے ہیں۔۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام ہوا۔اس دن رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ، یعنی شب قدر کا دن اور جمعۃ الوداع کا دن تھا، اس طرح رمضان المبارک، شب قدر اور جمعہ مبارکہ کی فضیلتیں ''یوم پاکستان'' کو حاصل ہوئیں۔قیام پاکستان کا نعرہ تھا۔''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ''۔

اسرائیل {ISRAEL} ایک نیا ملک ہے، جو یہودی مذہب کے پیروکاروں کے لیے بنایا گیا ہے۔سلطنت عثمانیہ (ترکی) کو کمزور ہوتی دیکھ کر یہودیوں کی مشہور عالمی تنظیم ''فری میسن'' کے اعلیٰ ارکان نے سال ۱۸۹۷ء میں فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک مستقل ملک کے قیام کی تجویز کو یقینی شکل دی۔اس سازش میں یورپ کے چند ممالک (برطانیہ، فرانس وغیرہ) بھی شریک تھے۔اس تجویز کو ''پروٹوکولز'' (Protocols) کا نام دیا گیا۔رفتہ رفتہ یہ دستاویز روسی پادری پروفیسر مرجائی اے ٹامکس کے ہاتھوں سے فری میسن کی ایک خاتون ممبر کے ہاتھوں لگی۔اس خاتون نے سال ۱۹۰۵ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔

اس پروٹوکولز میں یہودی مملکت ''اسرائیل'' کے قیام کی تفصیلات درج ہیں۔انجام کار امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے فلسطین میں یہودیوں نے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا، یہودیوں کے ظلم وستم کے سبب لاکھوں فلسطینی مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔انجام کار ۱۴/ مئی ۱۹۴۸ء کو رات کو بارہ بجے فلسطین میں ایک یہودی ریاست ''اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کر دیا گیا، ساتھ ہی فلسطینی مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے کا سلسلہ تیز کر دیا گیا، تاکہ مسلمان ان علاقوں سے دستبردار ہو جائیں۔

۵۸۶ قبل مسیح کے بعد سے فلسطین میں یہودیوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہودی قوم کئی ہزار سالوں سے دربدر بھٹکتی پھر رہی تھی۔ سلطنت عثمانیہ کی کمزوری کو دیکھ کر اہل مغرب اور فری میسن کے ارکان نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کے لیے فلسطینی مسلمانوں کو جلا وطن کر کے ''اسرائیل'' کو وجود دیا۔ درحقیقت اسرائیل کے قیام کا اصل مقصد عرب اور مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے یورپ و امریکہ کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی، اسی کا نام ''اسرائیل'' ہے۔

قیام اسرائیل کے اعلان کے دو گھنٹے بعد سب سے پہلے امریکہ نے اسے ایک ملک کی حیثیت سے تسلیم کیا، دو دنوں کے بعد روس نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ دنیا کے بہت سے ممالک نے آج تک اسرائیل کو ایک ''مستقل مملکت'' کی حیثیت سے تسلیم نہ کیا، کیونکہ یہ فلسطینی مسلمانوں کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ قریباً ستر سالوں سے کئی لاکھ کی تعداد میں فلسطینی مسلمان بے گھر اور بے یارو مددگار خانہ بدوشوں کی زندگی گذار رہے ہیں۔ آئے دن ان پر حملے ہوتے رہتے ہیں، نہ جانے اب تک کتنے فلسطینی مسلمان یہودیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔

الحاصل تاریخ عالم میں پاکستان اور اسرائیل دو ایسے ممالک ہیں، جن کا قیام مذہب کے نام پر ہوا۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ دس ماہ کے اندر ہی دونوں ریاستوں کی تشکیل ہوئی۔ ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا وجود ہوا، اور ۱۴/ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کا قیام ہوا۔

طب وصحت

محمد سمیع اختر بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس چہارم: گیان بھارتی پبلک اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

گردہ (Kidney) کی پتھری کا علاج

(۱) آدھے گلاس پانی میں ایک چمچہ لیموں کا رس، ایک چمچہ زیتون کا تیل اور ایک چمچہ خالص شہد ملا کر صبح نہار منہ پی لیں، ان شاء اللہ تعالیٰ دو، تین ہفتوں میں گردہ کی پتھری ریزہ ریزہ ہو کر خارج ہو جائے گی، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ دوبارہ پتھری نہیں ہوگی۔

(۲) کریلا استعمال کرنے سے گردہ اور مثانہ کی پتھری ٹوٹ ٹوٹ کر پیشاب کے ساتھ باہر نکل جاتی ہے۔

(۳) پیاز کے رس میں چینی ملا کر شربت بنا لیں، اسے پینے سے پتھری ٹوٹ کر نکل جاتی ہے۔

(۴) پتھری کے مریض خربوزہ زیادہ استعمال کریں، ناریل کا پانی بھی اس کے لیے مفید ہے۔

(۵) جو کے آٹے کی روٹی اور اس کا ستو استعمال کرنے سے پتھری پگھلنے لگتی ہے۔

(۶) سیب کا رس پیتے رہنے سے پتھری بننا بند ہو جاتی ہے۔

پرانے گیس اور قبض کا علاج

پیپل کے تازہ اور نرم پتے جسے کونپل کہا جاتا ہے، اور اس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے۔ پیپل کے ایسے دس پتے پیس کر اس کا جوس کسی باریک کپڑے سے چھان کر صبح وشام پی لیں، ان شاء اللہ تعالیٰ چند دنوں میں قبض، گیس اور پیٹ کا درد ختم ہو جائے گا۔

پیلے دانت کو سفید بنائیں

بیکنگ سوڈا (Baking Soda) جو کھانے میں استعمال ہوتا ہے، اسے ایک چمچہ لیں اور اس میں ایک چٹکی نمک ملا کر اسے دانتوں پر رگڑیں، ان شاء اللہ تعالیٰ چار ہفتوں میں دانت صاف ستھرے، سفید اور چمکدار ہو جائیں گے۔

پرسکون نیند آنے کا نسخہ

جب آپ سونے لگیں تو سرسوں کے تیل یا زیتون کے تیل سے پاؤں کے تلووں کی ہلکی مالش کریں۔ان شاءاللہ تعالیٰ اچھی نیند آئے گی۔

تورے کے فوائد

تورے ایک مشہور سبزی ہے، جو ہندو پاک میں ہر جگہ کثرت کے ساتھ دستیاب ہے۔ یہاں تورے کے فوائد تحریر کیے جا رہے ہیں۔

(۱) تورے کی بیل کو گائے کے دودھ یا ٹھنڈے پانی میں گھس کر صبح نہار منہ تین دن پینے سے پتھری گل کر ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) تورے سے پیشاب کی بیماری اور پیشاب کی جلن دور ہوتی ہے۔

(۳) تورے کی سبزی کھانے سے قبض ٹھیک ہوتا ہے اور بواسیر میں آرام ملتا ہے۔

(۴) کدو، پالک، تورے، میتھی وغیرہ سبزیاں کھانے سے گٹھیا (گھٹنوں کا درد) ختم ہو جاتا ہے۔

پیدل چلنے سے بیماریاں دور

پیدل چلنے کی عادت بنا لینے سے بہت سے بیماریاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ چند دور ہونے والی بیماریوں کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) گیس (۲) موٹاپا (۳) بواسیر (۴) دائمی قبض (۵) دل کے امراض (۶) نیند نہ آنا

بہت دیر تک ایک جگہ بیٹھے رہنا بہت نقصاندہ ہے۔ جو لوگ بیٹھ کر کام کرتے ہیں، وہ بھی کچھ دیر بعد چل پھر لیا کریں۔

قدرت کے عجائبات

محمد فیضان رضا بن منیف عالم رضوی، مرغیا چک سیتامڑھی (بہار)   کلاس نہم: ایم ڈبلیو اے اسکول، چنتامنی (کرناٹک)

درختوں کی کہانیاں

(۱) انڈونیشا کے جزیرہ ’’جاوا‘‘ میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے، جو لگ بھگ سات فٹ لمبا ہوتا ہے، وہ رات کو اس طرح چمکتا ہے کہ اس کی روشنی میں لکھا پڑھا جا سکتا ہے، اس کی چمک بہت دور سے ہی نظر آتی ہے۔

(۲) جزائر غرب الہند میں پام کا ایک درخت پایا جاتا ہے، جس کے پتے کی لمبائی ۶۵/ فٹ ہوتی ہے۔ یہ دنیا کے تمام درختوں کے پتوں سے لمبا چوڑا پتا ہے۔

(۳) اس وقت دنیا کا سب سے لمبا درخت کیلی فورنیا کے جنگلات میں ہے۔اس کا نام ’’ہارووڈ ڈیسی،، ہے۔اس کی لمبائی 37606/ فٹ ہے۔ یہ دنیا کا سب سے لمبا درخت ہے۔

(۴) جب سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو ہندوستان میں بڑ کا ایک درخت اتنا بڑا تھا کہ سکندر اعظم کی فوج کے سات ہزار سپاہیوں نے اس کے نیچے پڑاؤ ڈالا تھا۔

(۵) جزائر غرب الہند میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے کہ جس کی شاخوں کا چھلکا اتار کر ڈبل روٹی کی طرح کھاتے ہیں اور اس کا ذائقہ بھی ڈبل روٹی کی طرح ہوتا ہے، اور تاثیر بھی ڈبل روٹی کی طرح ہوتی ہے۔

(۶) ترکی کے شہر ’’سمرنا‘‘ میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کا تنا تین حصوں میں اس طرح تقسیم ہو چکا ہے کہ تین دروازے بن چکے ہیں، اس کے بیچ سے سڑک گذرتی ہے، اس عجیب وغریب درخت کو دیکھنے کے لیے ہر سال ہزاروں غیر ملکی سمرنا کا رخ کرتے ہیں۔

(۷) آسٹریلیا میں ایک درخت پایا جاتا ہے، جس کے تنا کی شکل بوتل سے ملتی جلتی ہے۔اس بوتل نما تنے میں سوراخ کرنے سے پانی نکلتا ہے،لوگ اس پانی کو بہت شوق سے پیتے ہیں،اسے پانی کا درخت کہا جاتا ہے۔

(۸) آسٹریلیا، برازیل اور امریکہ میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے،جس کے رس کا ذائقہ دودھ کی طرح ہوتا ہے۔لوگ اس کے رس کو دودھ کی طرح استعمال کرتے ہیں اور اسے دودھ کا درخت کہا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی ذہانت وفطانت

غلام حسین بن خلیل احمد (سدلگٹہ، کرناٹک)　　درجہ خامسہ: جامعہ حضرت بلال ٹیانری روڈ (بنگلور)

حفظ قرآن مجید وتاریخ گوئی

ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں تحریر فرمایا کہ بعض لوگ عدم واقفیت کی وجہ سے آپ کے القاب وآداب لکھتے وقت ''حافظ'' لکھ دیا کرتے، یہ دیکھ کر آپ نے حفظ قرآن مجید کا ارادہ فرمالیا -آپ قوی الحافظہ اور اعلیٰ ذہانت والے تھے۔رمضان کے مہینے میں ہر دن ایک پارہ یاد کر لیتے،اور اس کو نماز تراویح میں پڑھتے،اس طرح تیس دنوں میں آپ نے تیسوں پارے یعنی مکمل قرآن شریف حفظ فرمالیا۔اس کے بعد آپ نے فرمایا۔''بحمداللہ! میں نے کلام پاک بالترتیب بکوشش یاد کرلیا اور یہ اس لیے کہ ان بندگان خدا کا کہنا غلط ثابت نہ ہو''۔(حیات اعلیٰ حضرت ج ا ص ۳۶ - قادری کتاب گھر بریلی)

ملک العلما نے تحریر فرمایا۔''عالم الغیب والشہادہ علیم وخبیر جل جلالہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اعلیٰ حضرت کو جملہ کمالات انسانی کو جو ایک ولی اللہ، یکتائے زمانہ میں ہونی چاہئیں، بروجہ کمال جمع فرما دیا تھا۔جس وصف کمال کو دیکھئے،ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اسی میں تمام عمر صرف فرما کر اس کو حاصل فرمایا ہے،اور اس میں کمال پیدا کیا ہے،حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا کہ یہ محض منت عظمیٰ ونعمت کبریٰ ہے- ایک ادنیٰ توجہ سے زیادہ اس کی طرف کبھی صرف نہیں فرمائی۔ازانجملہ تاریخ گوئی ہے۔اس میں وہ کمال اور ملکہ حاصل تھا کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے،اعلیٰ حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرمایا کرتے تھے،جس کا بہت بڑا ثبوت حضور کی کتابوں میں اکثر وبیشتر کا تاریخی نام اور وہ ایسا چسپاں کہ بالکل مضمون کتاب کی توضیح وتفصیل کرنے والا،جس کا مفصل بیان ذکر تصنیفات میں ملاحظہ سے گذرے گا''۔(حیات اعلیٰحضرت ج ا ص ۱۴۱ - قادری کتاب گھر بریلی شریف)

ملک العلما نے لکھا۔''اس جگہ چند واقعات تاریخ گوئی اور بعض قطعات تاریخ ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ ۱۲۸۶ھ میں کہ حضور کی عمر شریف کا چودھواں سال تھا۔ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور عرض کیا کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہوتو دروازہ پر کتبہ کردیں-حضور نے فی البدیہہ فرمایا:ان سے کہیے، ''بدر رفض''(۱۲۸۶) رکھیں-اس جواب کو سن کر بولے کہ امام باڑہ گذشتہ سال ہی تیار ہو چکا ہے،مقصد یہ تھا کہ حضور دوسرا لفظ فرمائیں گے جس میں لفظ رفض نہ ہو۔حضور نے فوراً ہی فرمایا تو ''دار رفض''(۱۲۸۵) رکھیں-یہ سن کر چپ ہوئے اور پھر عرض کیا کہ اس کی ابتدا ۱۲۸۴ھ ہی میں کی تھی،اس لیے اسی سن کا نام ہونا مناسب ہے۔ارشاد فرمایا تو ''در رفض''(۱۲۸۴) رکھیں''۔

(حیات اعلیٰحضرت ج ا ص ۱۴۱ - قادری کتاب گھر بریلی شریف)

پانچ وقت کی نماز کا سبب

رونق رحمان بنت افتخار الرحمٰن، مٹیا برج راجہ بگان (کولکاتا)
کلاس 11: مولانا آزاد میموریل گرلس ہائی اسکول (کولکاتا)

افضل الفوائد میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور استفسار کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پانچ نمازیں جو پانچ اوقات میں آپ کی امت پر فرض کی گئی ہیں، اس کا سبب کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حق تعالیٰ نے پہلی نماز (نماز ظہر) کے وقت مخلوق کو پیدا فرمایا تھا، چونکہ وہ رحمت کا وقت تھا اس لیے میری امت کو حکم ہے کہ اس عظیم اور خاص ساعت میں خدا کو یاد کرے، تا کہ رحمت کے اس وقت سے محروم نہ رہے۔ دوسری نماز (نماز عصر) کا ایسا وقت ہے جب حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کھایا تھا اور بہشت سے نکلے تھے، چنانچہ باری تعالیٰ نے میری امت کو حکم دیا کہ اس وقت چار رکعت ادا کر کے اس واقعے کو یاد کریں، تا کہ اس گھڑی کی مصیبتوں سے محفوظ رہیں۔ شام کی نماز (نماز مغرب) کا وقت وہ وقت ہے جب تین سو سال کے بعد آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی تھی، چنانچہ میری امت کو حکم ہے کہ (رحمت کی) اس ساعت میں تین رکعت نماز ادا کر کے وہ وقت یاد کرے، اور حق تعالیٰ کی مغفرت کا امیدوار بنے۔ سونے کی نماز (عشا کی نماز) کا وقت وہ وقت ہے جسے حضرات انبیائے علیہم السلام واولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا، چنانچہ حق تعالیٰ نے اس وقت میری امت پر چار رکعت نماز فرض کی اور میری امت کو ان حضرات کے اتباع کی نعمت بخشی۔ نماز فجر کا وقت وہ وقت ہے جب حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو حکم دیا کہ اس وقت دو رکعت ادا کر کے اسے یاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں، تا کہ ان کی مغفرت ہو، اور ان پر رحمت کی جائے۔ یہ سن کر یہودیوں نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، ہماری کتاب توریت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد یہودیوں نے سوال کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی امت کے ان لوگوں کو جو یہ (پانچوں) نمازیں ادا کریں گے، کیا ثواب ملے گا؟ فرمایا: جو شخص نماز ظہر ادا کرے گا، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی کہ اس دوزخ کو آگ سے روشن کرتے ہیں۔ جو شخص نماز عصر ادا کرے گا، وہ حق تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے گا کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا گیا تھا۔ جو شخص مغرب کی نماز ادا کرے گا، وہ حق تعالیٰ سے جو حاجت طلب کرے، اسے حاصل ہوگی، کیونکہ اس وقت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور ان کی حاجت پوری کی گئی تھی۔ جو شخص نماز عشا ادا کرے، حق تعالیٰ اسے انبیا اور اولیا کے زمرہ میں جگہ عطا فرمائے گا، کیونکہ یہ وقت ان کی مناجات کا وقت ہے۔ جو شخص نماز فجر ادا کرے گا تو اس پر حق سبحانہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی اور اسے بہشت میں جگہ ملے گی، کیونکہ یہ رحمت الٰہی کا وقت ہے۔ یہودیوں نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے سچ فرمایا، ہماری کتاب توریت میں ایسا ہی لکھا ہے۔

فائدہ: مشائخ کے معمولات کے مطابق جو شخص نماز فجر کی دو رکعت سنتوں میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد الم ترکیف پڑھے، اسے بواسیر کے مرض سے چھٹکارا حاصل ہو۔

وفیات

علامہ اعجاز احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ کی رحلت

اہل سنت وجماعت کی مشہور دانش گاہ ''الجامعۃ الاشرفیہ'' (مبارکپور اعظم گڈھ: یوپی) کے مشہور ومعروف اور بزرگ استاذ حضرت علامہ اعجاز احمد مصباحی مبارکپوری (۱۹۴۰ء-۲۰۱۷ء) اب ہمارے درمیان نہ رہے۔۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۷/ جولائی ۲۰۱۷ء کوشام ۶/ بج کر ۳۵/ منٹ پر وہ وصال فرما گئے۔ جامع مسجد راجہ مبارک شاہ (مبارکپور) کے پاس نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جنازہ کی نماز حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی خطیب وامام جامع مسجد راجہ مبارک شاہ (مبارکپور) نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں خواص وعوام کا ایک کثیر ہجوم تھا۔ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ مصباحی سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور)، رئیس الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی مصباحی رئیس الاساتذہ الجامعۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ اور دیگر مدارس اسلامیہ کے اساتذۂ کرام اور طلبہ کثیر تعداد میں شریک جنازہ ہوئے۔ نماز جنازہ کے بعد انہیں ان کے آبائی قبرستان محلّہ تکیہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ محلّہ پورہ دیوان (مبارک پور) کے ایک دیندار گھرانے میں ۱۵/ جون ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) میں داخل ہوئے۔ حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کے سایہ عاطفت میں آپ نے جامعہ اشرفیہ سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ سال ۱۹۶۰ء کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر آپ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ فراغت کے بعد آپ نے چند ماہ تک مدرسہ تنویر الاسلام جین پور (اعظم گڈھ) میں بحیثیت صدر مدرس خدمت انجام دی۔ ۲۰/ اپریل ۱۹۶۰ء سے ۳۰/ نومبر ۱۹۷۳ء تک مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ (اعظم گڈھ) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ وہاں چند سال تک نائب صدر مدرس اور پھر صدر مدرس کے عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ آپ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دعوت پر یکم دسمبر ۱۹۷۳ء کو جامعہ اشرفیہ مبارکپور آ گئے، اور تادم آخر جامعہ اشرفیہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں نوری قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ دیکھنے والوں نے ان کی زندگی میں سادگی، تواضع وانکساری اور خوش اخلاقی کا جلوہ ہمیشہ دیکھا ہے۔

آپ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں درس وتدریس کے علاوہ تمام امتحانات کے نتائج، اسانید اور عرس عزیزی کا انتظام وانصرام بھی سنبھالتے تھے۔ چونکہ آپ ایک طویل مدت تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور فیض العلوم محمد آباد میں سلسلہ تدریس سے منسلک رہے، اس لیے آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی طویل فہرست ہے۔ آپ کے اساتذہ میں حضور حافظ ملت، خطیب الہند حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی، حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی، حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی، بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ قاضی محمد شفیع مبارکپوری، استاذ القراء حضرت علامہ قاری محمد یحییٰ مبارکپوری علیہم الرحمۃ والرضوان تھے۔ ادارہ پیغام شریعت (دہلی) کے تمام ارکان وممبران، حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال پرغم وافسوس کا اظہار کرتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اخروی نعمتوں سے سعادت مند فرمائے، اور ان کے تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد قاسم القادری مصباحی (دہلی)

تعلیمی مسائل

قسط نہم

میڈیکل سائنس کے تعلیمی پروگرام

{AcademicProgrammesofMedicalScience}

طارق انور مصباحی (کیرلا)

R.N.I. NO. DELURD/2015/65657 Posted at Delhi RMS Postal Registration DL (DG-11) 8085/2016-18
Publishing Date : 20
Same Month
Total 56 Pages With Title Cover
Weight 95 grams
Posting Date : 21 & 22

Paigam E Shariat Monthly

Vol: - 02, Issue : 23 September - 2017

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at : **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from : H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali,
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006